ہفت روزہ

لاہور

42

ندائے خلافت

www.tanzeem.org

17 تا 23 ذوالقعدہ 1431ھ / 26 اکتوبر تا یکم نومبر 2010ء

ایک مہلک خیال

اقامتِ دین اور قیامِ نظامِ عدل کی جدوجہد کو دنیا کی کسی دوسری سیاسی، معاشی یا معاشرتی تحریک پر قیاس کرنا نہایت غلط اور اس کا عملی نقشہ کسی دوسری تحریک سے اخذ کرنا سخت مضر ہی نہیں انتہائی مہلک ہے۔ جس طرح ایک فرد میں اسلام کی مطلوبہ تبدیلی کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ پہلے قرآن کو اس کے دل و دماغ میں اتارا جائے، تاکہ اس کا ذہن و فکر اور جذبات و احساسات سب قرآن کے تابع ہو جائیں، نتیجتاً اس کا عمل از خود قرآن کے تابع ہو جائے گا، اسی طرح کسی ہیئتِ اجتماعی میں بھی اسلامی انقلاب صرف اس طرح برپا کیا جا سکتا ہے کہ پہلے اس کے ذہین اور سوچنے اور سمجھنے والے طبقات کے قلوب و اذہان نورِ قرآن سے منور ہوں اور ان کے 'فکر و نظر' میں قرآنی انقلاب برپا ہو جائے۔ کسی ہیئت اجتماعیہ کے اصحابِ علم و فکر کے طبقے میں ایمان اور یقین کا ایک مضبوط مرکز (Nucleus) قائم ہو جائے تو پھر اس سے نورِ ایمان اور بصیرت دینی ان دوسرے طبقات میں لازماً سرایت کریں گے جو جسدِ اجتماعی میں اعضاء و جوارح کی حیثیت رکھتے ہیں اور رفتہ رفتہ پوری اجتماعیت نورِ ایمان سے جگمگا اُٹھے گی اور پورے کا پورا دین اپنے مکمل نظامِ عدلِ اجتماعی سمیت عملاً قائم ہو سکے گا — اس ایک راہ کے سوا اقامت دین کی کوئی اور راہ موجود نہیں اور یہ خیال تو بالکل ہی خام اور "اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ" (العنکبوت:41) کا کامل مصداق ہے کہ کسی مسلمان قوم کے اسلام کے ساتھ ایک موروثی مذہب کی حیثیت سے جذباتی لگاؤ اور تعلق کو مشتعل (exploit) کر کے ایک سیاسی تحریک برپا کر دینے سے قرآن کا نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

ڈاکٹر اسرار احمد

اس شمارے میں

جمہوریت دشمن کون؟

معاشی عدل

قرآن مجید سے تعلق کیسے برقرار رکھا جائے؟ (۷)

امیر تنظیم اسلامی کا مکتوب رفقاء تنظیم کے نام

محترم حافظ عاکف سعید صاحب کی بطور امیر تنظیم نامزدگی: بانی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا موقف

قائداعظم کے بستر علالت کے قریب چند لمحے

الجزائر: قادیانی اسرائیلی گٹھ جوڑ سے ارتدادی سرگرمیاں

نااہل حکمران اور اللہ کا عذاب

ڈوب مرنے کا مقام

سورۃ التوبہ

(آیات:44تا48)

ڈاکٹر اسرار احمد

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَاۗءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝

''جو لوگ اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تم سے اجازت نہیں مانگتے (کہ پیچھے رہ جائیں بلکہ چاہتے ہیں کہ) اپنے مال اور جان سے جہاد کریں۔ اور اللہ پرہیزگاروں سے واقف ہے۔ اجازت وہی لوگ مانگتے ہیں جو اللہ پر اور پچھلے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ سو وہ اپنے شک میں ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں۔ اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لئے سامان تیار کرتے لیکن اللہ نے ان کا اُٹھنا (اور نکلنا) پسند ہی نہ کیا تو ان کو ہلنے جلنے نہ دیا اور (ان سے) کہہ دیا گیا کہ جہاں (معذور) بیٹھے ہیں تم بھی ان کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اگر وہ تم میں (شامل ہو کر) نکل بھی کھڑے ہوتے تو تمہارے حق میں شرارت کرتے اور تم میں فساد ڈلوانے کی غرض سے دوڑے دوڑے پھرتے۔ اور تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ یہ پہلے بھی طالب فساد رہے ہیں اور بہت سی باتوں میں تمہارے لئے الٹ پھیر کرتے رہے ہیں، یہاں تک کہ حق آپہنچا اور اللہ کا حکم غالب ہوا اور وہ برا مانتے ہی رہ گئے۔''

سچے اہل ایمان کی ایمانی روش کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ آپ سے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد نہ کرنے کی اجازت مانگیں۔ مال و جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد تو ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الحجرات کی آیت 15 میں ہے کہ ''اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر، پھر شبہ میں نہ پڑے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے۔ وہی لوگ سچے ہیں۔'' لہٰذا سچے ایمان والے آپؐ سے جہاد کے معاملے میں استثناء نہیں مانگ سکتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں سے خوب واقف ہے۔

یہ جو لوگ آپ سے اجازت مانگ رہے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو حقیقتاً اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شکوک میں پڑ گئے ہیں اور وہ اپنے اسی شک و شبہ میں بھٹک رہے ہیں۔ یہی تردد اور تذبذب ہے جس کی بنا پر یہ کبھی سوچتے ہیں کہ چلنا چاہیے، ورنہ پردہ بالکل ہی فاش ہو جائے گا اور ہم منافق قرار دیئے جائیں گے۔ پھر خیال آتا ہے کہ نہیں کوئی نیا جھوٹ، نیا بہانہ ڈھونڈتے ہیں۔

فرمایا، اگر وہ واقعی نکلنے کا ارادہ کر لیتے تو اس کے لیے ساز و سامان فراہم کرتے، سفر کے لیے تیاری کرتے، مگر انہوں نے تو کوئی تیاری ہی نہیں کی۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے ہی ان کا نکلنا پسند نہیں فرمایا لہٰذا ان کو بوجھل کر دیا اور ان کو کہہ دیا گیا کہ تم بھی بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو (اس کی حکمت آگے بیان ہوگی)

اے مسلمانو! اگر یہ آپ کے ساتھ نکلتے تو تمہارے لیے خرابی میں اضافہ ہی کرتے۔ ان کے دلوں میں روگ تھا۔ وہاں جا کر یہ فتنے اُٹھاتے، آپس میں لوگوں کو لڑاتے۔ لہٰذا ان کا بیٹھا رہنا بھی حکمت پر مبنی ہے۔ گویا اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر ہے۔ مومن کے لیے تو ہر حالت خیر ہی خیر ہے، مگر منافق کے لیے شر ہی شر ہے، اِدھر بھی شر اُدھر بھی شر۔ یہ تمہارے مابین گھوڑے دوڑاتے، تمہارے لیے فتنے پیدا کرتے۔ ''تمہارے اندر ان کے جاسوس بھی ہیں''۔ یہ اس سے پہلے بھی فتنے اُٹھاتے رہے ہیں، اب بھی فتنہ ہی کرتے۔ ''فتنہ'' کا لفظ اُس حدیث میں بھی آتا ہے جس میں علمائے سوء کو ((شر الناس تحت السماء)) فرمایا گیا ہے کہ وہ فتنے اُٹھاتے ہیں۔ دوسرا ترجمہ اس طرح ہے۔ ''تمہارے اندر ان کے بعض لوگ ہیں جو ان کی باتیں بڑی توجہ سے سنتے ہیں۔'' یعنی بعض مسلمان سادہ لوح ہیں۔ وہ منافقین تو نہیں ہیں، البتہ وہ منافقین سے حسن ظن رکھتے ہیں اور ان کی بات توجہ سے سنتے ہیں۔ تو اگر منافقین تمہارے لشکر کے ساتھ ہوتے اور کوئی فتنہ اُٹھاتے تو یہ سادہ لوح مسلمان ان کی بات سن کر کسی فتنے میں مبتلا ہو سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں سے خوب باخبر ہے۔

اے نبی! یہ اپنی امکانی حد تک پہلے بھی آپؐ کے معاملات کو تلپٹ کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں، یہاں تک کہ جزیرہ نمائے عرب میں حق آ گیا، اللہ کے دین کا غلبہ ہو گیا یہ ان کو ہرگز پسند نہیں تھا۔ یہ تو چاہتے تھے کہ کسی طور دین کا غلبہ نہ ہو۔

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمہوریت دشمن کون؟

امریکہ اور یورپ جمہوریت کو ایمان کا درجہ دیتے ہیں لیکن ساتھ اِس بات کا اضافہ بھی کرتے ہیں کہ ہمارا ایمان ابھی نامکمل ہے اور مکمل جمہوریت کی منزل ابھی دور ہے۔ ہمارے نزدیک مغربی جمہوریت یعنی مادر پدر آزاد جمہوریت شرک ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ کسی بھی طرزِ حکومت کو اگر محض بندوں کی آزاد رائے اور صوابدید پر چھوڑ دیا جائے گا تو اُس سے بحیثیت مجموعی خیر کی توقع رکھنا عبث ہوگا۔ اس کے باوجود ہم سمجھتے ہیں کہ لازم نہیں کہ یہ شر خیر سے کلیتاً خالی ہو۔ مغربی جمہوریت نے شخصیات کی بجائے اداروں کو مستحکم کیا تو اِس کا فائدہ یہ ہوا کہ ملوکیت کی جڑ کٹ گئی اور شخصیت پرستی کے رجحان کی حوصلہ شکنی ہوئی۔ باہمی مشاورت کے امکانات میں اضافہ ہوا۔ عدلیہ کسی قدر آزاد ہوئی اور حکمِ حاکم بھی کچہریوں میں پیش ہوا۔ میڈیا کی آزادی سے جہاں انتہائی ناپسندیدہ اشغال اور حرکات سامنے آئیں وہاں یہ فائدہ بھی ہوا کہ حکومتوں کی کارگزاریوں کا پوسٹ مارٹم ہونا شروع ہوگیا اور مغرب میں درجنوں نہیں سینکڑوں اور ہزاروں اعلیٰ عہدیدار اپنے سکینڈل سامنے آنے پر نہ صرف اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھے بلکہ پسِ زنداں بھی گئے اور عوام کی نظروں میں ذلیل وخوار ہوئے۔ اس پروسس میں اگرچہ شرفا کی پگڑیاں بھی اچھل گئیں لیکن بحیثیت مجموعی ٹرانسپیرنسی آئی اور حکام بھی چوکنے ہوگئے اور اُن کی کریڈیبلیٹی میں اضافہ ہوا۔

1947ء میں جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو مغربی جمہوریت کا ڈنکا زور شور سے بج رہا تھا۔ ہم نے نظریاتی ریاست ہونے کے باوجود نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ، مغربی جمہوریت کو اپنانے کا اعلان کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآنِ پاک میں کسی خاص طرزِ حکومت کا حکم نہیں دیا البتہ معاملاتِ دنیا میں باہمی مشاورت کا حکم دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے نبی ہونے کے باوجود اپنے طرزِ امارت میں مشاورت کا انداز اپنایا، البتہ شریعت کے نفاذ کے حوالہ سے احکامات الٰہی کو سختی سے نافذ کیا۔ خلفائے راشدین نے بھی قرآن کو حَکَم بنایا، سنت کی سختی سے پیروی کی۔ سیرتِ مطہرہ اُن کے سامنے تھی، لہٰذا کوئی ابہام پیدا ہوتا تو آپؐ کے عمومی رویے سے بھی رہنمائی حاصل کر لیتے۔ پاکستان بننے کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم قرآن پاک اور سنتِ رسولؐ کو اپنا بنیادی آئین یا آئین سازی کا سرچشمہ قرار دیتے اور پھر اُس کے زیرِ سایہ کوئی بھی طرزِ حکومت اختیار کر لیتے۔ اُس کا نام شورائیت یا نظام خلافت رکھتے لیکن اگر اِن تمام پابندیوں کے ساتھ اُسے جمہوریت بھی کہہ لیتے تو ہم فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے، بشرطیکہ یہ طے ہو کہ قانون سازی عین اسلامی اصولوں کے مطابق ہوگی۔ پھر یہ کہ شرعی قوانین حاکمِ وقت چاہے خلیفہ یا صدرِ مملکت کہلائے، اُس پر بھی اُسی طرح لاگو ہوں گے جیسے ایک عام آدمی پر لاگو ہوتے ہیں۔

بدقسمتی سے جو طرزِ حکومت اور طرزِ عمل ہم نے اختیار کیا اُس پر ''آدھا تیتر آدھا بٹیر''، ''تین میں نہ تیرہ میں نہ سُتلی کی گرہ میں'' اور ''کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا'' جیسی ضرب الامثال پوری شدت سے منطبق ہوتی ہیں۔ بدقسمتی سے ہم ایک چوکور شے کو گول سوراخ میں یا ایک گول شے کو چوکور سوراخ میں فِٹ کرنے کے لیے کاٹ تراش میں لگے ہوئے ہیں۔ فرض کریں کہ ہمارے سیاست دان اور دوسرے حکمران اگر بڑی دیانت داری اور فرض شناسی سے یہ کام کرتے تب بھی کامیابی کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔ اِس لیے کہ نظریاتی ریاست میں اصل شے اور بنیاد نظریہ ہے۔ نظریہ مرکز ومحور ہوگا اور تمام امورِ مملکت اُس نظریہ کے تابع اور ماتحت

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 19 — شمارہ 42

17 تا 23 ذوالقعدہ 1431ھ
26 اکتوبر تا یکم نومبر 2010ء

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
ایوب بیگ مرزا
محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور۔54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرونِ پاکستان
انڈیا ---------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی رائے
سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

ہوں گے تو مثبت اور نفع بخش نتائج برآمد ہوں گے۔ چہ جائیکہ انتہائی بددیانت اور بدعنوان لوگوں کو حکمرانی کا فریضہ سونپ دیا جائے اور پھر کسی خیر کے برآمد ہونے کی توقع رکھی جائے۔ آپ جَو کاشت کر کے گندم کاٹنے کی توقع کیسے کر سکتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ بدعنوان حکمران خرابیوں اور برائیوں کی نشان دہی کرنے والے عوام کے اِنہی بہی خواہوں کو جمہوریت دشمن قرار دیتے ہیں۔ بعض بھولے اور سادہ لوح لوگ اس الزام پر چیخ اُٹھتے ہیں کہ ہم جمہوریت دشمن نہیں ہیں۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ اگر بددیانتی کرنا، جھوٹ بولنا، عوام کے بیت المال کو شیرِ مادر سمجھ لینا، نا اہل اور بدعنوان لوگوں کو چُن چُن کر اعلیٰ عہدے دینا، دشمنوں کو اپنے لوگوں کو ہلاک کرنے کی کھلی چھٹی دینا، سودی معیشت کو ملک میں رائج کرنا، طاقتور اور کمزور کے لیے قانون کا الگ الگ ہونا، حکومتی پہرے داروں کی حفاظت میں اپنی راتوں کو رنگین بنانا، یہاں تک کہ شرعی سزاؤں کو سنگدلانہ کہنا اور غیروں کے آگے جھک جانا، اگر یہ جمہوریت ہے تو ہم ایسی جمہوریت پر ہزار بار لعنت بھیجتے ہیں اور اس بنا پر اگر ہمیں کوئی جمہوریت دشمن کہے تو ہم اسے تمغہ سمجھ کر اپنے سینے پر سجائیں گے، یہ ہمارے لیے اعزاز کا باعث ہوگا۔

آصف علی زرداری اور اُن کے وزراء جمہوریت دشمنی کے حوالے سے کچھ نادیدہ قوتوں کا ذکر بھی کرتے ہیں اور بار بار کرتے ہیں۔ ہم حکومتوں اور نادیدہ قوتوں کے درمیان آنے والے کون ہوتے ہیں لیکن اتنا ضرور سوچتے ہیں اور صدر مملکت سے سوال کرتے ہیں کہ آپ نے آغاز میں مفاہمت کی سیاست کا آغاز کیا تو میاں محمد نواز شریف بازو کھول کر آپ سے بغلگیر ہوئے تھے اور وفاقی حکومت میں شریک بھی ہو گئے تھے تو پھر زرداری صاحب، آپ نے اچانک یوٹرن لیا، میاں صاحب سے ایک دو نہیں کئی وعدے کیے اور منحرف ہوئے، یہاں تک کہا کہ وعدے قرآن و حدیث نہیں ہوتے کہہ کر چیف جسٹس کو بحال کرنے کے وعدے سے مکر گئے، میثاق جمہوریت پر عمل درآمد سے منحرف ہو گئے، بھارت اور امریکہ سے تعلقات میں اس انداز سے آگے بڑھے جیسے وہ ازلی دشمن نہیں اصلی دوست ہیں، کرپشن کے عالمی ریکارڈ قائم کیے، اپنی ہی انٹیلی جنس ایجنسی ISI کے خلاف غیر ملکیوں کے موقف کی تائید کی، ملک میں میرٹ کو انتہائی بُری طرح تباہ کیا، ملکی تاریخ کے بدترین سیلاب کے دوران یورپ کے سیر سپاٹے کو چلے گئے۔ زرداری صاحب، آپ کے کرتوتوں اور جرائم کی ایک طویل فہرست ہے۔ کیا یہ سب کچھ نادیدہ قوتوں نے آپ سے کروایا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ہاں تو یہ جمہورت کے چمپئن ہی جمہوریت کے دشمن ہیں۔ ایسے دوستوں کی موجودگی میں جمہوریت کو کسی دشمن کی ضرورت نہیں۔

❁❁❁

بیانیہ مجلس اسرار

سماجی انصاف کا اوّلین اور اہم ترین تقاضا

معاشی عدل

تاریخ انسانی کے موجودہ دَور کے بارے میں بجا طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اصلاً معاشیات اور اقتصادیات کا دَور ہے، اور عہد حاضر کا انسان فی الواقع ''معاشی حیوان'' بلکہ صحیح تر الفاظ میں مشین کے مانند صرف ایک ''ذریعۂ پیداوار'' بن کر رہ گیا ہے۔ یہاں تک کہ آج عظیم ترین سلطنتوں اور ''سپر پاورز'' کا درجہ رکھنے والی حکومتوں کی بلند ترین سطح کی پالیسیاں بھی بنیادی طور پر معاشی مفادات اور اقتصادی مصلحتوں ہی کی بنیاد پر طے ہوتی ہیں ــــ لہٰذا عہد حاضر میں سماجی انصاف کا اوّلین اور اہم ترین تقاضا معاشی عدل اور اقتصادی انصاف ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی معاشرے میں معاشی عدل و قسط کا فقدان ہو، اور اقتصادی میدان میں ظلم اور استحصال کی بھٹی گرم ہو، اور انسان قرآن کی اصطلاح میں ''مترفین'' اور ''محرومین'' کے طبقات میں تقسیم ہو کر رہ گئے ہوں تو وہاں خواہ ''حریت، اخوت اور مساوات'' کے کتنے ہی راگ الاپے جائیں یا وعظ کہے جائیں، اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر جمہوریت کے کیسے ہی سوانگ رچا لیے جائیں، حقیقت کے اعتبار سے وہاں کا پورا اجتماعی نظام ''مراعات یافتہ طبقات کی آمریت'' کی صورت اختیار کر لے گا اور سماجی و معاشرتی اور سیاسی و ریاستی انصاف کے تمام دعوے باطل اور کھوکھلے قرار پائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ترجمانِ حقیقت علامہ اقبال مرحوم نے مغربی جمہوریت کا تجزیہ یا پوسٹ مارٹم ان تیکھے ہی نہیں تلخ الفاظ میں کیا ہے ۔

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر!

اور ۔

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری!

اور واقعہ یہ ہے کہ یہ الفاظ نہ محض لفاظی کے مظہر ہیں نہ مبالغہ آرائی کے بلکہ صدفی صد حقیقت بینی اور صدق بیانی پر مبنی ہیں۔ اس لیے کہ وہاں سرمایہ دارانہ معیشت اور سود، جوئے اور سٹے پر مبنی اقتصادی نظام نے کروڑ پتی اور ارب پتی سرمایہ داروں کا ایک محدود طبقہ پیدا کر دیا ہے اور ملکی سیاست ان کی زرخرید لونڈی بن کر رہ گئی ہے۔ یا بالفاظ دیگر اس نے اس محدود طبقے کے مشغلے اور فٹ بال یا والی بال کے سے کھیل کی صورت اختیار کر لی ہے۔ چنانچہ یہ وہ مکروہ اور گھناؤنی حقیقت ہے جس پر ''بنیادی انسانی حقوق'' اور ''حقوقِ شہریت'' کا رنگ و روغن مَل دیا گیا ہے، اور حریت فکر و عمل، آزادیٔ اظہار رائے اور بالغ رائے دہی پر مبنی ''جمہوریت'' کے حسین نقش و نگار بنا دیئے گئے ہیں!

قرآن مجید سے تعلق کیسے برقرار رکھا جائے؟ (۷)

8 اکتوبر 2010ء مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں
امیر تنظیم اسلامی محترم **حافظ عاکف سعید** صاحب کا خطابِ جمعہ

حضرات! پچھلے چند اجتماعات جمعہ میں اعتصام بالقرآن کے حوالے سے گفتگو ہو رہی ہے، جس میں یہ واضح کیا گیا کہ قرآن مجید کے ساتھ تعلق کیسے قائم کیا جائے۔ اس سلسلے میں جو آخری بات بیان ہوئی تھی وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تبلیغ بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ کتاب الٰہی کو دوسروں تک پہنچائیں۔ یہ پوری امت کی ذمہ داری ہے۔ یہ ختم نبوت کا تقاضا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت تمام انسانیت اور تمام زمانوں کے لیے ہے۔ اب قیامت تک کوئی بھی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ لیکن پیغام قرآنی کی دعوت و تبلیغ کی ضرورت باقی رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ چنانچہ عہد نبویؐ سے لے کر آج تک قرآن میں کوئی فرق نہیں آیا اور نہ قیامت تک آئے گا۔ یہ کتاب من وعن وہی ہے جو نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئی تھی۔ دشمنوں نے ہر دور میں کوشش کی کہ اس میں تحریف کریں، اس میں شکوک و شبہات پیدا کریں۔ اس سلسلے میں تازہ کوشش ''فرقان الحق'' کے نام سے کتاب کی اشاعت ہے۔ اپنی تمام تر تدبیروں کے باوجود کفار کو ہر بار منہ کی کھانی پڑی۔ تحریف قرآن کی کوشش کبھی کامیاب نہیں ہوئی، اور نہ آئندہ ہوگی، ان شاء اللہ۔ جو شخص بھی حق کا متلاشی ہوگا، وہ ذرا سی کوشش سے یہ جان لے گا کہ ہاں یہی قرآن اصل کتاب ہے۔ اس کے لیے اتنے شواہد اور ثبوت موجود ہیں کہ اس میں اختلاف کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی سورج کا انکار کر دے جبکہ وہ نصف النہار پر ہو۔ بہرکیف یہ کتاب قیامت تک محفوظ رہے گی۔ اس کو دوسروں تک پہنچانا اس امت کے ذمے ہے جو حامل قرآن ہے۔ اسی کے لیے آپؐ نے فرمایا کہ ((بلغوا عنی ولو آیۃ)) یعنی ''پہنچاؤ میری جانب سے چاہے ایک ہی آیت ہو۔'' ایک اور حدیث ہے، جس کے راوی عبیدہ ملیکی ؓ ہیں اور اسے امام بیہقی نے اپنی کتاب شعب الایمان میں درج کیا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

((یَا اَھْلَ الْقُرْاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ وَاتْلُوْہُ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ مِنْ اٰنَاءِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَاَفْشُوْہُ وَتَغَنَّوْہُ وَتَدَبَّرُوْا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ))

''اے قرآن والو! قرآن کو بس اپنا تکیہ ہی نہ بنالو، بلکہ دن اور رات کے اوقات میں اس کی تلاوت کیا کرو جیسا اس کی تلاوت کا حق ہے۔ اور اس کو (چار دانگِ عالم میں) پھیلاؤ، اور اس کو خوش الحانی سے حظ لیتے ہوئے پڑھا کرو، اور اس پر غور و فکر کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

اس حدیث میں آپؐ نے ہمیں ''اہل القرآن'' کہہ کر مخاطب فرمایا۔ آج کل یہ لفظ ایک اعتبار سے بدنام ہو گیا ہے۔ اس لیے کہ ہمارے معاشرے میں ''اہل قرآن'' کا لقب اُن لوگوں نے اختیار کیا ہے جو درحقیقت حدیث و سنت کے منکر ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ''اہل قرآن'' کہہ کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ دین میں اصل حجت صرف قرآن ہے، سنت نہیں۔ حالانکہ جب وہ سنت کا انکار کرتے ہیں اور جب نبی کریم ﷺ کو وہ مقام دینے کو تیار نہیں ہوتے جو قرآن حکیم نے آپؐ کو دیا ہے تو حقیقت میں وہ قرآن کا بھی انکار کرتے ہیں، اُس کی واضح نصوص کی تکذیب کرتے ہیں۔ بہرکیف ''اہل القرآن'' کا خطاب نبی کریم ﷺ نے اپنی پوری امت کو دیا ہے۔ قرآن حکیم میں تورات اور انجیل کے ماننے والوں کو ''اہل کتاب'' کہا گیا ہے۔ وہ اِن کتابوں کے نگہبان تھے۔ اِسی پس منظر میں آپؐ نے ہمیں ''اہل قرآن'' کا خطاب عطا فرمایا اور یہ ہدایت دی کہ ''قرآن والو اِس قرآن کو اپنا تکیہ نہ بنالینا'' یہ بڑے بلیغ الفاظ ہیں۔ دیکھئے، تکیہ وہ ہوتا ہے جس پر آپ سہارا لیتے اور ٹیک لگاتے ہیں اور تکیہ پشت کے پیچھے ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے یہود کا ایک بڑا جرم یہ بتایا کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا تھا، یعنی اُسے نظر انداز کر دیا تھا، اُس سے بے اعتنائی کی تھی۔ اللہ نے تو یہ ہدایت دی تھی کہ اپنی چوبیس گھنٹے کی زندگی اس کے مطابق گزارو، مگر انہوں نے اسے چھوڑ کر اپنی خواہشات کا اتباع کیا۔ قرآن کو تکیہ بنالینے کا مفہوم یہ ہوگا اسے ذہنی سہارا بنالیا جائے کہ ہم حاملِ قرآن ہیں، ہم سب سے اعلیٰ اور بہترین ہیں، اور یہ خیال کر کے عمل سے فارغ ہو جائیں کہ ہم تو بخشے بخشائے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اِس سے منع فرمایا۔ ہمارا طرزِ عمل قرآن کے ساتھ وہ نہیں ہونا چاہیے جو یہودیوں کا تورات کے ساتھ تھا۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ ''اس کی صبح و شام بکثرت تلاوت کر کے اس کا حق تلاوت ادا کرو۔'' یعنی اگر تم واقعی اس کتاب کا حق ادا کرنا چاہتے ہو، اس سے اپنا تعلق درست رکھنا چاہتے ہو، تو ضروری ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کا اہتمام کرو۔ تیسری بات یہ فرمائی کہ ''اس کتاب کو پھیلاؤ'' اس کی تعلیمات کو دنیا تک پہنچانا بھی تمہارے ذمے ہے۔ جب تم لوگوں تک یہ روشنی پہنچی ہے، تو اب اِسے اپنے تک محدود نہ کرو، بلکہ اس سے پورے عالم کو منور کرو۔ اس کے انوار سے عالم میں پھیلے کفر و شرک کے اندھیروں کا خاتمہ کرو۔ انسانیت کو آسمانی ہدایت سے روشناس کراؤ۔ چوتھی بات یہ فرمائی گئی کہ ''اُس کو خوش الحانی سے پڑھا کرو''، بہتر سے بہتر انداز سے اسے پڑھنے کی کوشش کرو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر مسلمان تجوید کے ضروری قواعد سیکھے، اُسے حروف کے مخارج کا علم ہو، تاکہ اللہ کی کتاب کو پڑھتے ہوئے حروف صحیح طور پر ادا ہو سکیں۔ اعلیٰ درجے

کے قراء کی سی مہارت حاصل کرنا تو ہر شخص کے بس کی بات نہیں، لیکن تجوید وقراءت کے بنیادی قواعد اور مخارج سے آگاہی ہر آدمی کے لیے ضروری ہے، تاکہ پڑھتے ہوئے اُس سے لحن جلی کا ارتکاب نہ ہو۔ اگر تلاوت کرتے ہوئے حروف اپنے مخارج سے ادا نہ ہوں، اور ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف ادا ہو جائے تو بسا اوقات معانی میں زمین وآسمان کا فرق واقع ہو جاتا ہے۔ ایسی غلطیاں حرام غلطیاں کہلاتی ہیں۔ ہمیں اِن سے اپنے آپ کو بچانا ہے، اور یہ تبھی ممکن ہے جب ہمیں ضروری قواعد تجوید اور مخارج کا علم ہو۔ ہمیں تجوید کے بنیادی قواعد سے اِس قدر آگاہی ضرور ہونی چاہیے کہ جس سے ہمیں یہ اعتماد و یقین ہو کہ تلاوت کرتے ہوئے ہم سے لحن جلی نہیں ہوتی، ہماری قراءت حرام قسم کی غلطیوں سے پاک ہے۔ یہ کام ناگزیر ہے۔ اس کے لیے ہمیں بھرپور محنت کرنی چاہیے۔ باقی یہ کہ اگر قرآن کو عمدہ سے عمدہ طریقے سے پڑھا جائے، جیسے چوٹی کے قراء پڑھتے ہیں اس کے لیے اعلیٰ درجے کی استعداد حاصل کی جائے، تو یہ سونے پر سہاگہ ہے۔ والد محترم فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کے اندر ایک غنائیت ہے۔ اگر اس کو عمدگی سے پڑھا جائے تو انسان کے اندر موجود اچھی آواز سننے کے ذوق کی اعلیٰ درجے میں تسکین ہو سکتی ہے۔ اگلی بات آپؐ نے یہ فرمائی ''اس قرآن میں تدبر کیا کرو'' اس کے مضامین میں غور وفکر کیا کرو۔ نبی کریم ﷺ نے ''تدبر'' کا لفظ اس لیے استعمال فرمایا کہ ''تذکر'' کے درجے کا فہم تو اہل عرب (جن کے لیے ابتداءً قرآن نازل ہو رہا تھا) کو محض پڑھنے سے بھی حاصل ہو سکتا تھا۔ عربی اُن کی اپنی زبان تھی، اس لیے آپؐ نے فرمایا کہ اِس میں تدبر بھی کرو، سوچ بچار کرو، قرآن کے سمندر میں غوطہ زنی کرو۔ اس سے ایمان ویقین میں گہرائی پیدا ہوگی۔ آخر میں فرمایا کہ اِن باتوں کا حکم تمہیں اِس لیے دیا جا رہا ہے، تاکہ اِن پر عمل کر کے تم فوز وفلاح سے ہمکنار ہو سکو۔ اگر تم یہ کام کرو گے، اگر قرآن کے یہ حقوق ادا کرو گے تو تم اللہ کی رحمت کے مستحق بن جاؤ گے۔

اگر دیکھا جائے تو قرآن مجید کے بنیادی حقوق اِس حدیث میں آ گئے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ان کی ادائیگی کی فکر کریں۔ اگر ہم نے قرآن کو محض کتاب مقدس سمجھ کر طاق نسیاں کی زینت بنا دیا اور اِسے پڑھنے، سمجھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کے پیغام کو دنیا تک پہنچانے کا اہتمام نہ کیا تو یہ سخت محرومی کی بات ہوگی۔ یہ قرآن حکیم کی سخت ناقدری ہوگی کہ ہم کیریئر کی خاطر اور دنیا بنانے کے لیے دنیا کی دوسری زبانیں سیکھنے پر تو کئی کئی سال لگا دیں، مگر قرآن کی زبان عربی سیکھنے کے لیے کچھ بھی وقت نکالنے پر آمادہ نہ ہوں۔ قرآن کو سمجھنے کی طرف ذرا توجہ ہی نہ دیں۔ اپنا سارا وقت دنیا بنانے کے لیے، اپنے کیریئر کے لیے لگا دینا اور قرآن حکیم کے حقوق سے غفلت برتنا سخت نادانی کی بات اور حد درجہ خسارے کا سودا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾﴾ (سورۃ الکہف)

''کہہ دو کہ ہم تمہیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں۔ وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں۔''

قرآن سے غفلت میں گزرنے والا وقت وقت کا ضیاع ہے۔ اِس کا احساس ہمیں اس وقت تو نہیں ہوتا کہ

پریس ریلیز: حافظ عاکف سعید

جاگیرداری نظام کے خاتمہ تک زرعی اصلاحات کی کوئی سکیم کامیاب نہیں ہوگی

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے کہا ہے کہ جب تک جاگیرداری نظام کا خاتمہ نہیں کیا جاتا زرعی اصلاحات کی کوئی اسکیم کامیاب نہیں ہو سکتی۔ وہ MQM کی جانب سے قومی اسمبلی میں لینڈ ریفارمز بل پیش کیے جانے پر تبصرہ کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اس سے قبل ایوب خان جیسے مضبوط فوجی آمر اور ذوالفقار علی بھٹو جیسے مقبول عوامی لیڈر کے دور حکومت میں بھی زرعی اصلاحات کی گئی تھیں لیکن ان کے مثبت نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ جب تک قانون ساز اداروں میں جاگیرداروں کا غلبہ ہے ایسی کوئی کوشش کامیاب ہو ہی نہیں سکتی۔ جاگیرداری نظام کا خاتمہ ایک عوامی انقلابی تحریک کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ تنظیم اسلامی انتخابی سیاست میں اس لیے حصہ نہیں لیتی کہ اس کے ذریعے جاری نظام میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی سوائے اس کے کہ اس کو چلانے کے لیے بہتر ہاتھ مہیا ہو جائیں لیکن ہمارے ملک میں یہ بھی ممکن نظر نہیں آتا کیونکہ ہر آنے والی حکومت پچھلی حکومت سے بدتر ثابت ہو رہی ہے۔ جاگیرداری نظام کا خاتمہ صرف انقلاب برپا کرنے سے ممکن ہے۔ پارلیمنٹ میں موجود وڈیرے جاگیرداری نظام کو کبھی ختم نہیں ہونے دیں گے۔ (پریس ریلیز: 14/ اکتوبر 2010ء)

ماضی میں امریکا کو فوجی اڈے دینا پاکستان کی سب سے بڑی غلطی تھی

حکومت پاکستان اب کینیڈا کو اڈے دینے سے اجتناب کرے

امریکہ پاکستان پر حملے کے لیے پر تول رہا ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے جامع مسجد قرآن اکیڈمی میں خطاب جمعہ کے اختتام پر ان خبروں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہی کہ امریکہ بلوچستان میں براہ راست حملوں کی منصوبہ بندی کر رہا ہے اور شمالی وزیرستان میں مزید کارروائیوں کے لیے دباؤ بڑھا رہا ہے۔ شنید ہے کہ پاکستانی فوج کے سربراہ جنرل کیانی نے امریکی مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ دیر آید درست آید کے مصداق امریکا کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہونا ہی وقت کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ماضی میں امریکا کو فوجی اڈے دینا ہی پاکستان کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ لیکن اب ایک نہ شد دو شد کے مصداق کینیڈا بھی طالبان کے خلاف کارروائی کے لیے پاکستان سے اڈے مانگ رہا ہے۔ حکومت پاکستان کو ہرگز کینیڈا کو اڈے نہیں دینا چاہئیں۔ انہوں نے ترک وزیراعظم کے اس بیان کا خیر مقدم کیا کہ امت مسلمہ کو متحد ہو کر دشمنوں کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ عالم کفر کی سازشوں سے بچانے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ اگر ہم امریکا کی بجائے اللہ کے سامنے سر جھکائیں اور اپنے وجود کے ساتھ ساتھ اپنے ملک میں بھی اللہ کے دین کو نافذ کر دیں تو اللہ کی رحمت شامل حال ہوگی اور ہم دشمنوں کی سازشوں سے محفوظ ہو سکیں گے۔ (پریس ریلیز: 15/ اکتوبر 2010ء)

(جاری کردہ مرکزی شعبہ نشر واشاعت تنظیم اسلامی پاکستان)

ہمارے دل و دماغ پر دنیا کا بھوت سوار ہے، لیکن ہمیں اُس وقت ضرور ہوگا جب ہماری آنکھ بند ہوگی، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جب مرنے کے بعد ہماری آنکھ کھلے گی۔ حقوق قرآن سے غفلت بھی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ محض حامل قرآن ہونے پر فخر کیا جائے تو یہ وہ روش ہے جو اللہ کے غضب و لعنت کا نشانہ بننے والے یہودیوں کی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس روش پر بنی اسرائیل کو سخت ظالم قرار دیتے ہوئے، انہیں ایک گدھے سے تشبیہہ دی ہے جس کے اوپر کتابیں لاد دی گئی ہوں۔ فرمایا:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑤﴾ (الجمعۃ)

''جن لوگوں (کے سر) پر تورات لدوائی گئی پھر انہوں نے اس (کے بارِ تعمیل) کو نہ اٹھایا، ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں۔ جو لوگ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں، ان کی مثال بری ہے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

ہمارے لیے یہ آیت ایک آئینہ ہے، جس میں ہم اپنی شبیہہ دیکھ سکتے ہیں۔ بنی اسرائیل اہل تورات تھے، انہوں نے تورات کے حقوق ادا نہ کیے۔ ہم اہل قرآن ہیں، ہمیں اس آئینے میں یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا ہم قرآن کے حقوق ادا کر رہے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اس قرآن مجید کے ساتھ ہمارا سلوک وہی ہے جو مطلوب ہے؟ یا ہمارا بھی حال وہی ہے جو یہود کا تھا۔ اِس آیت کی تفسیر میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: ''(مسلمانوں کی) عبرت کے لیے یہود کی مثال بیان فرماتے ہیں جنہوں نے اپنی کتاب اور پیغمبر سے استفادہ کرنے میں سخت غفلت اور کوتاہی برتی۔ یہود پر تورات کا بوجھ رکھا گیا تھا اور وہ اس کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے، انہوں نے اُس کی تعلیمات و ہدایات کی کچھ پروا نہ کی، نہ اُس کو محفوظ رکھا، نہ دل میں جگہ دی، نہ اُس پر عمل کر کے اللہ کے فضل و انعام سے بہرہ ور ہوئے۔ بلاشبہ تورات جس کے یہ لوگ حامل بنائے گئے تھے، حکمت و ہدایت کا ربانی خزانہ تھا، مگر جب اُس سے منتفع نہ ہوئے تو وہی مثال ہوگئی ہے ۔

نہ محقق شدی نہ دانشمند — چار پائے برد کتابے چند

> قرآنی ہدایت سے استفادہ نہ کیا جائے اور محض حامل کتاب ہونے کی بنا پر فخر کیا جائے تو یہ انداز فکر تکذیب کی ہے

ایک گدھے پر علم و حکمت کی پچاسوں کتابیں لاد دو، اُس کو بوجھ میں دبنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ تو صرف ہری گھاس کی تلاش میں ہے۔ اِس بات سے کچھ سروکار نہیں رکھتا کہ پیٹھ پر لعل و جواہر لدے ہوئے ہیں یا سنگریزے۔ اگر محض اس پر فخر کرنے لگے کہ دیکھو! میری پیٹھ پر کیسی کیسی عمدہ اور قیمتی کتابیں لدی ہوئی ہیں، لہٰذا میں بڑا عالم اور معزز ہوں تو یہ اور زیادہ گدھا پن ہوگا۔ بُری قوم ہے جس کی مثال یہ ہے۔ اللہ ہم کو پناہ میں رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے تورات وغیرہ میں جو بشارات نبی آخر الزماں ﷺ کی دی تھیں اور جو دلائل و براہین آپؐ کی رسالت پر قائم کیں، اُن کو جھٹلانا آیات الٰہی کو جھٹلانا ہے۔ اللہ اپنے ایسے معاند، ہٹ دھرم، بے انصاف لوگوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔''

اِس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر قرآنی ہدایت سے استفادہ نہ کیا جائے، اللہ کی کتاب کے حقوق ادا نہ کیے جائیں اور محض حامل کتاب ہونے کی بنا پر فخر کیا جائے تو یہ انداز فکر اپنانے والوں کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا گیا ہو اور فرمایا بہت بُری مثال ہے اُس قوم کی، جس نے آیات الٰہی کی تکذیب کی۔ اللہ اِس طرز عمل کو کتاب الٰہی کی تکذیب قرار دیتا ہے۔ یہ تکذیب عملی ہے۔ تکذیب صرف زباں سے ہی نہیں ہوتی، بلکہ عمل سے بھی ہوتی ہے۔ قولی تکذیب تو یہ ہے کہ زبان سے یہ کہا جائے کہ قرآن اللہ کی کتاب نہیں ہے۔ تکذیب عملی یہ ہے کہ زبان سے تو قرآن پر ایمان لایا جائے، مگر عملاً اُس کی ہدایت سے انحراف ہو، اُس کی تعلیمات کو درخوراعتنا نہ سمجھا جائے، اُس کی رہنمائی اور قانون شریعت سے استفادہ نہ کیا جائے، اس کی بجائے مغربی تہذیبی نظام اور فکر و فلسفہ کو اپنایا جائے۔

آج بحیثیت قوم ہمارا یہی حال ہے۔ ہمیں قرآن پر ایمان کا دعویٰ تو ہے مگر عملاً ہم نے قرآنی قانون سے بغاوت کی سی روش اپنا رکھی ہے۔ قرآن و سنت کی بجائے سیکولر نظام اور مغربی تہذیب کو گلے سے لگا رکھا ہے۔ اللہ کے احکام کی بجائے امریکہ کی ڈکٹیشن کی پیروی کر رہے ہیں۔ ہمارا یہ طرزِ عمل اس بات کی علامت ہے کہ ہم نے ''اللہ اکبر'' کی بجائے ''امریکہ اکبر'' کو اپنا ماٹو بنا رکھا ہے۔ ہم نے اللہ کی بجائے امریکہ کو بڑا مانا ہے۔ تکذیب عملی اسی بات کا نام ہے کہ ہم زبانی تو قرآن کو کتاب ہدایت مانیں، اپنی تقریروں میں اسلام کو ضابطۂ حیات کہیں مگر عملاً اِس ہدایت سے رتی بھر فائدہ نہ اُٹھائیں، نہ اُسے پڑھنے کے لیے تیار ہوں، نہ سمجھنے پر آمادہ ہوں۔ یہودیوں کا یہی طرزِ عمل تھا، جس پر وہ اللہ کی جانب سے ذلت و رسوائی کا نشانہ بنے۔ اللہ نے یہود کی مثال دے کر ہمیں سمجھا دیا کہ اگر قرآن کے تعلق سے تمہارا وہی طرزِ عمل رہا جو تورات کے حوالے سے یہود کا تھا تو تم ہدایت سے محروم رہو گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی روش سے بچائے اور قرآن مجید کے ساتھ تمسک کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

اکاؤنٹ اسسٹنٹ کی ضرورت ہے!

مرکز تنظیم اسلامی گڑھی شاہو، لاہور میں مرکزی شعبہ مالیات کے لیے اکاؤنٹس و آڈٹ سے منسلک باصلاحیت رفیق تنظیم کی ہمہ وقتی بنیادوں پر ضرورت ہے۔ مرکز آپ کی قابلیت و تجربہ کی تفاصیل کا منتظر ہے۔

(باہمی مشاورت سے کفالت طے کی جائے گی۔ ان شاء اللہ)

المعلن: مرکزی ناظم بیت المال
تنظیم اسلامی

A-67 علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو، لاہور
36316638-36366638

امیر تنظیم اسلامی کا مکتوب رفقاءِ تنظیم کے نام

تو بہ کی منادی کے حوالے سے لکھا گیا کہ یہ خط اوّل ازیں رفقاء کو حلقہ جات کے ذریعے ارسال کیا جا چکا ہے، تاہم اب یاد دہانی کے طور پر اسے غذائے خلافت میں شائع کیا جا رہا ہے

رفیق محترم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ' امید ہے آپ مع جملہ اہل خانہ بخیر وعافیت ہوں گے!

یوں تو آج پوری ملتِ اسلامیہ بدترین پستی اور زوال کا شکار ہے لیکن جہاں تک مسلمانانِ پاکستان کا تعلق ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بدترین عذابِ الٰہی سے دوچار کرنے سے پہلے قدرت کی جانب سے ہمیں جھنجھوڑنے کا عمل شاید آخری مراحل میں داخل ہو چکا ہے۔ اللہ رب العزت نے ہماری بداعمالیوں اور اللہ کے دین سے مسلسل بے وفائی کی سزا کی طور پر ہمارے سروں پر، پرویز مشرف اور زرداری جیسے حکمران مسلط کئے، ہولناک زلزلوں اور ایسی ہلاکت خیز طوفانی بارشوں اور سیلاب کے ذریعے ہمیں جھنجھوڑا کہ طوفانِ نوح کی یاد تازہ ہوگئی، یہی نہیں، سورہ انعام کی آیت نمبر 65 میں وارد شدہ عذابِ الٰہی کی تیسری صورت یعنی کسی قوم کا گروہوں میں بٹ کر باہم قتل وغارت گردی کرنا بھی ہمارا مقدر بنا۔ یہ ہر دوسرے روز ہونے والے دہشت گردی کے واقعات اور بلوچستان اور کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کے بڑھتے ہوئے واقعات اسی عذاب کی شروعات ہیں۔ یہ تو داخلی صورت حال ہے، ملک کے خارجی حالات اس سے بھی زیادہ ابتر ہیں۔ ہمارے گرد اسلام دشمن طاقتوں کا گھیرا روز بروز تنگ سے تنگ تر ہو رہا ہے۔ امریکہ، نیٹو اور بھارت ہماری سالمیت کی دھجیاں بکھیرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ گویا حقیقی معنوں میں وقتِ دعا ہے۔ اسی صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے میں نے مرکزی اسرہ کے رفقاء سے مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ ہمیں توبہ کی پکار لگانے کے لیے اٹھ کھڑے ہونا ہوگا۔ ہمیں خود بھی اللہ کے حضور صدقِ دل سے توبہ کرنی اور اس کے عملی تقاضوں کو پورا کرنے کی طرف توجہ دینا ہوگی اور اپنے مسلمان پاکستانی بھائیوں سے بھی دردمندی کے ساتھ اپیل کرنی ہوگی کہ وہ اللہ کے حضور سچی توبہ کریں اور اصلاحِ عمل پر کمربستہ ہو جائیں، اس سے پہلے کہ عذابِ الٰہی پوری شدت اور قوت کے ساتھ ہم پر مسلط ہو جائے اور ہم ''خسر الدنیا والآخرۃ'' کا مصداق بن جائیں۔ حاصل کلام یہ کہ ''توبہ کی پکار'' وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، ہمارے لیے بچاؤ کا واحد راستہ یہی ہے کہ ہم بحیثیت قوم اللہ کے حضور جھک جائیں اور گڑگڑا کر اُس سے معافی طلب کریں۔ وہ بڑا غفور ورحیم ہے اور کبھی اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

رفیق گرامی! توبہ کیا ہے اور اس کے عملی تقاضے کیا ہیں؟ میں اِس پر تفصیلی گفتگوئیں بھی کر چکا ہوں اور جو ہینڈ بل آپ کو تقسیم کرنے کے لیے فراہم کیا گیا ہے اُس میں اُنہیں بڑی وضاحت سے تحریر بھی کر دیا گیا ہے۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ توبہ کی پکار کی اس مہم میں بھرپور حصہ لیں۔ اس ہینڈ بل کو تقسیم کرنے سے پہلے اسے خود اچھی طرح پڑھیں، عوام میں توبہ کی منادی سے پہلے خود اپنے اندر جھانکیں۔ اپنی روزمرہ زندگی کا تفصیلی جائزہ لیں اور جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے خلاف کوئی بات اپنے اندر پائیں اس سے باز آجانے کا صدقِ دل سے پختہ عہد کریں۔ رفیق گرامی! اس وقت میں خصوصیت کے ساتھ آپ کی توجہ اُن بنیادی دینی ذمہ داریوں کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں جن کی ادائیگی کا عزم کرنے کی اللہ رب العزت نے ہمیں توفیق بخشی اور اسی حوالے سے آپ نے رضائے الٰہی کے اعلیٰ ترین مقصد کے حصول کے لیے میرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے اقامت دین کی جدوجہد کی خاطر اپنا تن من دھن نچھاور کرنے کا عہد کیا۔ رفیق گرامی! ہمارے لیے توبہ کی پکار کا ایک اہم تقاضا یہ بھی ہوگا کہ ہم میں سے ہر فرد اس بات کا جائزہ لے کہ کیا وہ اس عہد کو اپنی تمام تر صلاحیت اور استعداد کے ساتھ نبھا رہا ہے اور کیا واقعی دین کے اس کام کو ہم دنیا کے کاموں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگر جواب ہاں میں ہو تو **فھو المطلوب**' اور اگر ایسا نہیں ہے تو سب سے پہلے ہمیں اپنی اس کوتاہی کی تلافی کی طرف توجہ دینا ہوگی۔ یہ بات معتضر وضی چاہیے کہ میں اور آپ اگرچہ اسلامی انقلاب برپا کر دینے کے ذمہ دار نہیں ہیں لیکن اسلامی انقلاب کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں کھپا دینے اور خلوص دل کے ساتھ جدوجہد کرنے کے ذمہ دار ضرور ہیں، جس کی مسئولیت کی فکر ہم میں سے ہر شخص کو ہونی چاہیے۔ یاد رکھیے کہ یہی اللہ کی رضا اور اُخروی کامیابی کے حصول کا وہ یقینی راستہ ہے جس کی ضمانت رب کریم نے سورۃ الصف میں دی ہے۔

رفیق محترم! دین کی راہ میں مشکلات ضرور آتی ہیں' اللہ کی مستقل سنت ہے کہ وہ اہل ایمان کو آزمائش کی بھٹیوں میں سے گزارتا ہے، لیکن ساتھ ہی اُس کا وعدہ یہ بھی ہے کہ جو کوئی اُس کی راہ میں محنت اور جدوجہد پر کمربستہ ہو جائے اور جان ومال کھپانے کا عزم کرے، رب کریم اُس کے لیے اس راستے کو آسان بنا دیتے ہیں، قدم قدم پر اس کی دستگیری فرماتے اور اپنی خصوصی توفیق سے نوازتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں دین کے ہر کام اور تنظیمی تقاضوں کی ادائیگی کے لیے خوشدلی سے لبیک کہنا چاہیے کہ یہی تو اجر وثواب کمانے اور اپنے مولائے حقیقی کی نگاہوں میں سرخرو ہونے کے مواقع ہیں —— میری آپ سے استدعا ہے کہ توبہ کی پکار کی اس مہم کو غنیمت جانتے ہوئے اس میں بھرپور حصہ لیجیے۔ خود بھی توبہ اور تجدید عہد کا راستہ اختیار کیجیے اور پورے معاشرے میں اس پکار کو عام کرنے میں جذبۂ مسابقت کے ساتھ حصہ لیجیے۔ اسی سے اس ملک میں غلبہ واقامت دین کی راہ ہموار ہوگی جس کے لیے ہم بحمداللہ ایک انقلابی جماعت کے شریک قافلہ بنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری مساعی کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین! والسلام

طالب دعا ودعا گو

احمد عاکف سعید

(حافظ عاکف سعید)

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کی بطور امیر تنظیم نامزدگی کے حوالے سے

بانی محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کا موقف

(''حساب کم وبیش'' سے چند اقتباسات)

بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی وفات حسرت آیات کے بعد تنظیم اسلامی کی امارت کے حوالے سے بعض عوامی حلقوں کی جانب سے لاعلمی کی بنا پر یہ استفسار سامنے آتا ہے کہ نیا امیر کس کو بنایا گیا ہے۔ جب انہیں بتایا جاتا ہے کہ تنظیم کے موجودہ امیر بانی تنظیم کے صاحبزادے حافظ عاکف سعید ہیں اور یہ ذمہ داری وہ گزشتہ سات آٹھ سالوں سے نبھا رہے ہیں اور ان کی تقرری بانی تنظیم کی حیات ہی میں عمل میں آئی تھی، تو پھر سوال یہ سامنے آتا ہے کہ اس فیصلے کا پس منظر کیا تھا۔ اگرچہ رفقائے تنظیم اور احباب تو یہ بات جانتے ہیں کہ تنظیم کے موجودہ امیر جناب حافظ عاکف سعید صاحب کا تنظیم کی امارت کے منصب پر فائز ہونا ایک طویل مشاورت کے بعد عمل میں آیا تھا۔ تاہم جو احباب صورتحال سے واقف نہیں اُن کی آگاہی کے لیے مناسب خیال کیا گیا کہ اس معاملے کی وضاحت کے لیے خود بانی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی ایک مفصل تحریر شائع کردی جائے۔ یہ تحریر جہاں اُن کی آگاہی کا ذریعہ بنے گی، وہاں رفقاء تنظیم کے لیے بھی یاددہانی کا کام کرے گی۔ (ادارہ)

عزیزم حافظ عاکف سعید سلمہٗ کی بطور امیر تنظیم اسلامی نامزدگی کوئی اچانک پیش آنے والا حادثہ یعنی "BOLT FROM THE BLUE" نہیں تھا بلکہ اس ''قطرے کو گہر ہونے تک'' پورے چار سال کا عرصہ لگا۔ جس کے دوران ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (اور وہ اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں) کے جملہ تقاضے ادا کئے گئے! اس سلسلے میں حسب ذیل نکات پیش نظر رہنے چاہئیں:

(1) تنظیم کے دستور العمل میں اوّل یوم سے یہ طے ہے کہ:

''امیر تنظیم کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی مجبوری یا معذوری کی بناء پر اپنے منصب سے دست بردار ہونے کی صورت میں اپنا جانشین نامزد کریں۔ بصورتِ دیگر ان کی وفات پر نئے امیر تنظیم کا انتخاب مرکزی مجلس مشاورت سات دن کے اندر اتفاق رائے یا اختلاف کی صورت میں کثرت رائے سے کرے گی......''

(2) تاہم اس سلسلے میں ''مشاورت'' کا سلسلہ 94ء سے شروع ہوا جبکہ مرکزی مجلس مشاورت کے اجلاس منعقدہ 7۔8 رفروری میں اس موضوع پر بحث ہوئی کہ آیا میں اپنے بعد کے لئے اپنا جانشین نامزد کردوں! (جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا تھا) یا اسے رفقاء پر چھوڑ دوں کہ وہ خود اپنی صوابدید سے فیصلہ کریں (جیسے کہ نبی اکرم ﷺ نے کیا تھا!) طویل بحث مباحثے کے بعد رائے شماری ہوئی تو جدید اصطلاح میں HUNG PARLIAMENT والی صورت حال پیدا ہوگئی کہ 13 ارکان کی رائے نامزدگی کے حق میں تھی اور اتنے ہی ارکان معاملے کو OPEN رکھنے کے حق میں تھے (بعد ازاں 8۔9 رجون کی مشاورت میں ایک اور معزز رکن شوریٰ نے نوٹ کرایا کہ ان کی رائے گنتی میں آنے سے رہ گئی تھی۔ ان کی رائے بھی OPEN رکھنے کے حق میں ہے۔ گویا اب معاملہ 13 vs 14 کا ہوگیا' لیکن ظاہر ہے کہ یہ بھی کوئی فیصلہ کن صورت نہیں تھی!)

(3) چنانچہ تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع' منعقدہ اکتوبر 1994ء کے موقع پر میں نے اعلان کیا تھا کہ میرے بعد تنظیم کی امارت کے مسئلے کے ضمن میں جو دو متبادل صورتیں ہمارے نظام العمل میں درج ہیں ان میں سے کسی ایک کے بارے میں حتمی فیصلے کے لئے رفقاء سے مشورے کے لئے تنظیم کے ملتزم رفقاء کا ایک کل تنظیم خصوصی اجتماع اپریل 1995ء میں منعقد ہوگا۔

(4) چنانچہ تنظیم اسلامی کا آل پاکستان اجتماع ملتزم رفقاء 2 تا 4 راپریل 95ء لاہور میں منعقد ہوا۔ اس میں مشورہ طلب امور کے تعین کے لئے میں نے ایک مکتوب جملہ ملتزم رفقاء کو 21 رمارچ 1995ء کو ارسال کیا' جس میں وضاحت کی کہ:

چند روز قبل جبکہ بفضلہٖ تعالیٰ امید واثق ہوگئی کہ یہ اجتماع حسب منشا منعقد ہو ہی جائے گا تو میرے ذہن نے اس سے بھرپور استفادہ کے لئے ترتیب مباحث پر غور کیا تو میں حسب ذیل نتائج تک پہنچا ہوں:

میرے بعد کے دور کے بارے میں کوئی فیصلہ کرتے ہوئے سب سے پہلے ہمیں نظامِ بیعت پر بھرپور نظر ثانی کر لینی چاہئے۔ تاکہ (i) اگر کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس ہو تو اس کا فیصلہ کرلیا جائے۔ ورنہ (ii) اگر بعض حضرات کے ذہنوں میں کوئی اشکال ہو تو وہ رفع ہو جائے۔ اور ہم اسے زیادہ نئے اور زیادہ بھرپور انشراح صدر کے ساتھ جاری رکھ سکیں۔

اس ضمن میں حسب ذیل دو باتیں میری جانب سے پیش نظر رہیں:

ایک یہ کہ اگرچہ میرے نزدیک اقامت دین کی جدوجہد کے لئے قائم ہونے والی جماعت کے لئے واحد منصوص' مسنون اور ماثور اساس صرف شخصی بیعت ہی کی ہے' تاہم میں ہمیشہ

سے یہ کہتا رہا ہوں کہ مغربی طرز کی دستوری تنظیم کو بھی میں حرام یا ممنوع نہیں بلکہ "مباح" سمجھتا ہوں۔

دوسرے یہ کہ نظام بیعت کے لئے کتاب وسنت اور سیرت وتاریخ سے مطابقت پر مستزاد جو عقلی استدلال ہے اس کا بھی ایک جزو تو مستقل اور ابدی ہے یعنی یہ کہ انقلابی جدوجہد کے آخری یعنی اقدامی مرحلے کے لئے اس طرز کا نظم قطعاً ناگزیر ہے اور اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ طبائع کو پہلے ہی سے اس کا خوگر بنا دیا جائے..... لیکن ایک جزو صرف داعی اوّل اور مؤسس تنظیم کی ذات سے متعلق ہوتا ہے یعنی یہ کہ کسی بھی دعوت وتحریک کا داعی ہی اس کے جملہ مضمرات اور مقدرات کو بہتر طور پر جانتا ہے اور چونکہ تنظیم اور جماعت کی پوری تعمیر میں ایک ایک اینٹ اسی کے ہاتھ کی رکھی ہوئی ہوتی ہے لہٰذا اس کی ذات میں ﴿اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ﴾ (بھلا جس نے پیدا کیا وہ بے خبر ہے؟) کا عکس اور ﴿صَاحِبُ الْبَیْتِ اَدْرٰی بِمَا فِیْهَا﴾ (گھر کا مالک جانتا ہے کہ جو کچھ گھر میں ہے) کی کیفیت موجود ہوتی ہے لیکن یہ دلیل اس کے بعد کسی دوسرے شخص کے حق میں موجود نہیں ہوتی' اس لئے کہ وہ سب لوگ جو اس داعی کی دعوت پر جمع ہوتے ہیں اس اعتبار سے کم وبیش مساوی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ (یہی وجہ ہے کہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور میں بھی میں نے اپنے لئے تو "حق استرداد" (VETO) رکھا تھا' لیکن میرے بعد کسی صدر انجمن کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا۔)

بنابریں اس مسئلے پر غور کر لینے میں ہرگز کوئی حرج نہیں ہے.....!

لیکن اگر نئے انشراح صدر کے ساتھ بیعت ہی کے نظام کو جاری رکھنے کا فیصلہ ہو تو پھر مجھے ذاتی طور پر دو مشورے درکار ہوں گے:

ایک یہ کہ آیا میں نظام العمل کے مطابق اپنا جانشین نامزد کر دوں یا اسے مجلس مشاورت ہی کے لئے رہنے دوں؟

اس معاملے میں چونکہ آخری اور حتمی فیصلہ رفقاء کی آراء کو "گننے" اور "تولنے" کے بعد خود مجھ ہی کو کرنا ہے لہٰذا اس کا بھی امکان ہے کہ میرا ذہن اجتماع کے دوران ہی یکسو اور کسی ایک رائے پر جازم ہو جائے اور میں اس کا اعلان بھی کر دوں..... اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے حتمی رائے قائم کرنے میں مزید وقت درکار ہو۔

اس پہلی بات کے ضمن میں ضمنی مشورہ یہ بھی درکار ہوگا کہ نامزدگی کی صورت میں اس کا اعلان اپنی زندگی ہی میں کر دوں یا اسے وصیت کی صورت میں لکھ کر رکھ دوں۔ (مؤخر الذکر صورت میں اس کا امکان رہے گا کہ میں اپنی "وصیت" پر نظر ثانی بھی کرتا رہوں!)

فقط والسلام

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

21 مارچ 1995ء

(5) ان مسائل پر کھلی بحث وتمحیص کے بعد استصواب رائے سے حسب ذیل نتائج سامنے آئے:

(i) اجتماع کے اس سیشن میں موجود 310 رفقاء میں سے بہت بھاری اکثریت' یعنی 284 رفقاء نے اوّل الذکر کے حق میں فیصلہ دیا۔ صرف 19 رفقاء کی رائے یہ سامنے آئی کہ آئندہ تنظیم کو بیعت کی بجائے کسی دستوری نظم پر استوار کیا جانا چاہئے' جبکہ 7 رفقاء نے کسی رائے تک نہ پہنچنے کے باعث سوال نامہ خالی واپس لوٹایا۔

(ii) اجتماع کے دوسرے سیشن میں شریک 313 رفقاء میں سے بھی ایک عظیم اکثریت' یعنی 284 رفقاء نے پہلے سوال کے جواب میں یہ رائے ظاہر کی کہ مجھے اپنا جانشین اپنی زندگی ہی میں نامزد کر دینا چاہئے۔ 27 رفقاء نے اس کے خلاف رائے دی' جبکہ 5 رفقاء نے کسی رائے تک پہنچنے سے عجز کا اظہار کیا۔ یہاں بھی گویا نوے فیصد سے زائد رفقاء ایک رائے پر متفق نظر آتے ہیں۔

(iii) تاہم اس مسئلے سے متعلق دوسرے سوال کے جواب میں رفقاء واضح طور پر دو حصوں میں بٹے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ 167 رفقاء کی رائے یہ تھی کہ اپنے جانشین کا اعلان مجھے اپنی زندگی ہی میں کر دینا چاہئے۔ اس کے مقابلے میں 107 رفقاء نے یہ رائے ظاہر کی کہ جانشین کے نام کا اعلان کرنے کی بجائے اس کے بارے میں اپنے فیصلے کو وصیت کی شکل میں محفوظ کر دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ 39 رفقاء اس معاملے میں کسی بھی رائے یا نتیجے تک پہنچنے سے قاصر رہے۔

(iv) اس سوال کے جواب میں کہ "آپ کی رائے میں جانشینی کے سب سے زیادہ اہل کون ہیں؟" رفقاء نے اپنے اپنے ذہن کے مطابق نام تجویز کئے۔ یہاں ہم ان چار رفقاء کے نام درج کر رہے ہیں جن کے حق میں سب سے زیادہ رفقاء نے رائے ظاہر کی ہے۔ ان چار رفقاء کے نام حروف تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے یہ ہیں: رحمت اللہ بٹر صاحب' ڈاکٹر عبدالخالق صاحب' ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب اور مختار حسین فاروقی صاحب۔

(6) اجلاس مشاورت 12-13 راگست 1995ء میں مَیں نے اعلان کر دیا کہ (i) میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں اپنا جانشین نامزد کروں گا اور (ii) اسے ایک وصیت کی شکل میں لکھ کر لاہور میں موجود تنظیم اور انجمن دونوں کے سینئر ترین رفیق سید سراج الحق صاحب کے سپرد کر دوں گا اور پھر اجلاس مشاورت 29-30 رنومبر 1995ء میں مَیں نے شوریٰ کو بتا دیا کہ میں نے اپنے فیصلے پر عمل کر لیا ہے اور اپنے جانشین کو نامزد کر کے وصیت کی شکل میں تحریر سید سراج الحق صاحب کے پاس رکھوا دی ہے۔

(7) تاہم ایک خلش میرے دل میں باقی رہی کہ 2 تا 4 راپریل 95ء کے اجتماع ملتزم رفقاء میں ایک تو نامزدگی کے اعلان یا وصیت کے بارے میں رفقاء کی آراء میں نمایاں تقسیم تھی' اور دوسرے یہ کہ جانشین کے لئے رفقاء سے جو نام مانگے گئے تھے اس کے ضمن میں کوئی واضح طریق کار اختیار نہیں کیا گیا تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ تنظیم کے ملتزم رفقاء کا ایک مزید چھ روزہ تربیتی واستصوابی اجتماع منعقد کیا جائے۔ میری اس رائے کو تنظیم کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس منعقدہ 29 رمئی 97ء میں منظور کر کے حسب ذیل فیصلے کئے:

(ماخوذ از رجسٹر کارروائی)

جانشین کو نامزد کرنے کا فیصلہ خود امیر محترم کو کرنا ہے۔

☆ نامزد جانشین کا اعلان کرنے یا وصیت کی صورت میں محفوظ کرنے کے بارے میں اب بھی ان کو یہ پسند ہے کہ اعلان نہ کیا جائے۔ تاہم ملتزم رفقاء کے اجتماع میں بعض رفقاء کی آراء سن کر وہ یہ چاہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں تمام ملتزم رفقاء کی رائے دوبارہ حاصل کی جائے۔

☆ قبل ازیں اس سلسلہ میں ملتزم رفقاء سے جو رائے لی گئی تھی وہ اچانک تھی' لہٰذا دوبارہ رائے حاصل کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

☆ اس کے باوجود فیصلہ ان کی آراء کی بنیاد پر نہیں ہوگا' بلکہ اس کے حوالے سے امیر محترم کو اپنی رائے کو استوار کرنے میں مدد ملے گی۔

اس کا طریق کار یہ ہوگا کہ:

☆ اولاً تین' چار رفقاء جو صاحب علم بھی ہوں اور انتظامی امور (Management) سے بھی واقف ہوں وہ یہ بیان کریں کہ جانشین کے لئے کیا ترجیحات ہونی چاہئیں اور ان

میں کیا ترتیب ہوگی۔

☆ امیر محترم اس گفتگو کو مکمل کریں گے۔

☆ اس کے بعد تمام ملتزم رفقاء سے جانشین کے بارے میں رائے لی جائے گی۔

☆ ان آراء کے نتیجہ میں چوٹی کے پانچ رسات رفقاء (یا مزید اگر امیر محترم خود چاہیں) کو اس موضوع پر اظہار خیال کا موقع دیا جائے کہ اگر یہ ذمہ داری ان پر ڈال دی جائے تو ان کی ترجیحات کیا ہوں گی۔ (اس سلسلہ میں امیر محترم کچھ سوالات بنالیں گے جن کا جواب ان سے مطلوب ہوگا۔ رفقاء بھی سوالات کرسکیں گے۔)

☆ اس کے بعد ملتزم رفقاء سے دوبارہ آراء حاصل کی جائیں گی اور ان کے جائزہ کے بعد امیر محترم فیصلہ کریں گے۔

الحمدللہ کہ یہ چھ روزہ اجتماع پروگرام کے مطابق 26/اکتوبر تا یکم نومبر 1997ء منعقد ہوا' جس میں 480 ملتزم رفقاء نے شرکت کی اور اس کے دوران اقامت دین کی جدوجہد کے عظیم مقصد کے لئے جمع ہونے والے لوگوں کی ''اجتماعیت'' کے جو حسین مناظر دیکھنے میں آئے ان سے میری طبیعت میں اس وقت بھی بہت انشراح وانبساط پیدا ہوا تھا اور اس کا کیف وسرور مجھے آج تک بھی یاد ہے — اور اس میں مجھے ایک کروڑ میں ایک کی نسبت ہی سے سہی لیکن اس احساس کا عکس محسوس ہوا تھا جس کے تحت نبی اکرم ﷺ نے جب اپنے مرض وفات کی شدت میں ذرا سی کمی پر اپنے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھا کر مسجد میں ہونے والی نماز باجماعت کا منظر دیکھا تو آپ ﷺ کے چہرے پر بشاشت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ ظاہر ہوئی تھی!

اس کے افتتاحی اجلاس میں مَیں نے اپنے خطاب کے آغاز میں جو الفاظ کہے تھے وہ اس اجتماع کی روداد کے مرتب (رفیق محترم نعیم اختر عدنان) کے مطابق یہ تھے (ماخوذ از 'ندائے خلافت' 19 نومبر 1997ء)

''تلاوت قرآن مجید کے بعد امیر قافلہ ودامی تحریک خلافت' امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے اپنے افتتاحی خطاب کا آغاز سورۂ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت سے کیا۔ امیر محترم مدظلہ نے فرمایا کہ ''تنظیم اسلامی کی ساڑھے بائیس سالہ تاریخ میں چھ روزہ اجتماع کے انعقاد کا یہ تیسرا موقع ہے۔ پہلا چھ روزہ تنظیمی اجتماع اگست 1977ء میں منعقد ہوا تھا جس میں دیگر امور کے علاوہ تنظیم اسلامی کی قرارداد تاسیس میں انقلابی رنگ کی کمی کی تلافی اور اقامت دین کی فرضیت پر زور دار خطاب ہوا تھا۔ اسی اجتماع میں ''بیعت'' کی منصوص و ماثور اور مسنون اساس کو اختیار کرنے کا حتمی فیصلہ کرلیا گیا۔ دوسرا چھ روزہ اجتماع ''فرائض دینی کے جامع تصور'' کے حوالے سے 1985ء میں منعقد ہوا تھا' جبکہ اب یہ تیسرا چھ روزہ اجتماع منعقد ہو رہا ہے تو اس موقع پر تنظیم اسلامی کے داعی' مؤسس اور تاحیات امیر کو اپنے جانشین کی تعیین کا مشکل ترین مرحلہ درپیش ہے۔ اس حوالے سے ندائے خلافت کی 8/اکتوبر کی اشاعت کے ذریعے تمام تفصیلات سے آپ حضرات آگاہ ہو چکے ہوں گے۔ میں اپنے گھٹنوں کے آپریشن سے پہلے جانشین کے تعین کے نازک اور اہم مرحلے کے ضمن میں ضروری مشاورت کا مرحلہ مکمل کرنا چاہتا ہوں''۔

چنانچہ اس شش روزہ اجتماع میں دروس قرآن' اور تنظیم کے لٹریچر میں سے اہم حصوں کے اجتماعی مطالعے پر مستزاد ایک تو ''تنظیم اسلامی کی کامیابیاں اور ناکامیاں'' کے موضوع پر رفقاء کو اظہار خیال کی دعوت دی گئی جس کے ضمن میں پندرہ رفقاء نے اظہار خیال کیا۔ مزید برآں چونکہ یہ اجلاس اپریل 1995ء کے اجتماع ہی کے تسلسل کی حیثیت رکھتا تھا' لہٰذا اس کی پوری کارروائی بھی پڑھ کر سنائی گئی اور اس سلسلے میں جو تقریریں میں نے اپریل 1997ء میں اجلاس مجلس شوریٰ میں کی تھی اس کا آڈیو کیسٹ بھی سنوایا گیا۔

اصل قابل غور مسئلے یعنی جانشین کے تعین کے ضمن میں اولاً تنظیم کے بزرگ اور سینئر رفقاء نے ''جانشین کے مطلوبہ اوصاف'' کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔ جن میں مولانا سید مظفر حسین ندوی (مرحوم)' شیخ جمیل الرحمٰن (مرحوم)' سید سراج الحق صاحب' جناب قمر سعید قریشی' چوہدری غلام محمد' جناب الطاف حسین' میجر (ر) فتح محمد' سید نسیم الدین اور جناب اشرف وصی شامل تھے — ان کے علاوہ غلام محمد سومرو صاحب کو چونکہ اچانک واپس سکھر جانا پڑا تھا' اس لئے ان کی تحریران کے چھوٹے بھائی احمد صادق سومرو نے پڑھ کر سنائی!

اس کے بعد استصواب رائے کے لئے 30/اکتوبر کی صبح جملہ رفقاء کو دو دو پرچیاں دے دی گئیں۔ ایک پر یہ رائے مطلوب تھی کہ جانشین کے تقرر کا اعلان بھی کر دیا جائے یا اسے وصیت ہی کے طور پر رہنے دیا جائے۔ اور دوسری پرچی میں ہر رفیق کو اپنی ترجیح کے مطابق جانشین کے لئے تین تین نام تجویز کرنے تھے۔ یہ پرچیاں اجلاس ہی میں واپس وصول کرلی گئیں' جو سید سراج الحق صاحب کے حوالے کر دی گئیں کہ وہ ان کو پراسیس کر لیں۔ چنانچہ شام کے اجلاس میں ایک تو سید صاحب کے آراء کے جائزے کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی کہ جانشین کے تقرر کے ساتھ اس کا اعلان عام بھی کر دیا جانا چاہئے۔ یہ رائے شرکاء اجتماع کی نوے فیصد کی آراء پر مبنی تھی۔ اور مجوزہ جانشین کے نام کے سلسلے میں ترجیح اول' ترجیح دوم اور ترجیح سوم کے ناموں کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لینے اور پھر ان کو consolidate کرنے کے نتیجے میں چھ رفقاء کے نام ٹاپ پر آئے' جو حرف تہجی کی ترتیب کے مطابق حسب ذیل ہیں:

1) ناظم شعبہ تربیت' جناب رحمت اللہ بٹر
2) نائب امیر' ڈاکٹر عبدالخالق
3) ناظم اعلیٰ' جناب عبدالرزاق
4) امیر حلقہ بیرون پاکستان' ڈاکٹر عبدالسمیع
5) ناظم نشرواشاعت' حافظ عاکف سعید
6) امیر حلقہ پنجاب جنوبی' جناب مختار حسین فاروقی

اس کے بعد پہلے سے اعلان شدہ پروگرام کے مطابق ان حضرات کے اظہار خیال کا مرحلہ آیا۔ چنانچہ اس کے لئے پہلے تو ان سب حضرات کو ''آڈیٹوریم بدر'' کر دیا گیا — پھر ان میں سے ایک ایک کو اندر بلا کر خطاب کی دعوت دی گئی' تاکہ ہر شخص دوسروں کے بیان سے لاعلم رہتے ہوئے اپنی خالص ذاتی رائے بیان کرے!

اس مرحلے کی تکمیل کے بعد اب جملہ رفقاء کو آخری اور حتمی طور پر صرف ایک ایک نام تجویز کرنے کے لئے رائے دہی کی پرچیاں دے دی گئیں کہ رات کے دوران اچھی طرح غور وفکر اور استخارہ کر کے نام تجویز کریں اور اگلی صبح (یعنی 31/اکتوبر کو) نماز فجر کے وقت انہیں معین مقامات پر پہنچا دیں! جو بحمداللہ' بخیر وخوبی ہو گیا' اور رفقاء کی آراء موصول ہو گئیں!

اب ظاہر ہے کہ یہ ساری exercise کسی ''انتخاب'' کے سلسلے کی نہیں تھی بلکہ خود مجھے آخری اور حتمی فیصلے تک پہنچنے کے لئے ''مشورے'' کے لئے تھی۔ چنانچہ اس ضمن میں مَیں نے اجتماع کے آخری اجلاس منعقدہ یکم نومبر 1997ء کو صبح گیارہ بجے اپنے اختتامی خطاب میں عرض کیا:

''اپریل 1997ء کے اجتماع سے پہلے تک ایک رفیق کے بارے میں میرا ذہن یکسو ہو گیا تھا اور اس کی میں نے باقاعدہ وصیت بھی لکھ دی تھی' مگر اپریل 1997ء میں بعض بزرگ

رفقاء کی جانب سے ایک رائے میرے سامنے آئی جس کی بنا پر میں مزید غور و فکر کے لئے مجبور ہو گیا۔ چنانچہ اس رائے کے بعد میرے سامنے ایک اور نام بھی آیا اور پھر کئی دوسرے نام بھی ذہن میں آئے۔ اس اجتماع کے دوران بھی میں جانشین کے حوالے سے متردّد رہا ہوں اور اب تک متردّد ہوں۔ اب تک کسی نام پر میں یکسو نہیں ہو سکا۔ اس حوالے سے اس مشاورتی سلسلے کو ابھی اور وسعت دوں گا۔ جانشین کے بارے میں رفقاء کی آراء جناب سید سراج الحق کے حوالے کر دی ہیں جو انہیں ''پروسیس'' کر رہے ہیں۔ خود مجھے بھی اس حوالے سے مزید غور و فکر کی ضرورت ہے' جبکہ رمضان المبارک کے آخری ہفتے میں مجھے فیصلہ کرنا ہے۔ تاہم جانشین کی تقرری کے حوالے سے جو رفقاء مجھے کوئی خصوصی مشورہ دینا چاہیں وہ بذریعہ خط یہ مشورہ مجھے پہنچا سکتے ہیں''۔

واضح رہے کہ اپریل 1997ء تک میرے ذہن میں عزیزم عاکف سعید سلمہٗ کا نام کبھی نہیں آیا تھا۔ اب سوچتا ہوں تو اس کا سب سے بڑا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آں عزیز گلے اور کان کی ایک تکلیف میں عرصے سے مبتلا ہیں جس سے بسا اوقات تقریر اور خطاب میں شدید رکاوٹ ہوتی ہے' اور کافی علاج معالجہ اور ایکسپرٹ آراء کے حصول کے باوجود کوئی صورت شفا کی نظر نہیں آئی۔ اسی طرح 1995ء کے مشاورتی اجتماع میں جب اچانک رفقاء سے جانشین کے لئے رائے دینے کو کہا گیا تو اس میں بھی ٹاپ کے چار لوگوں میں ان کا نام نہیں تھا۔ اس کی وجہ بھی بہت واضح تھی یعنی یہ کہ آں عزیز فیلڈ ورک میں کبھی آئے ہی نہیں تھے — اور ان کا سارا وقت تنظیم کے لٹریچر کی تدوین و اشاعت اور تین تین جرائد کی ادارت میں صرف ہوتا تھا اور یہ جملہ کام ''پس پردہ'' ہوتے تھے' لہٰذا رفقاءِ تنظیم کے سامنے وہ کبھی نمایاں ہو کر آئے ہی نہیں تھے۔

اپریل 1997ء کے اجتماع کے بعد میرے سامنے دو نہایت سینئر اور معمر رفقاء کی جانب سے پورے شد و مد کے ساتھ عزیزم عاکف کے لئے رائے آئی۔ ان میں سے ایک صوبہ سرحد کے سینئر ترین رفیق اور پاکستان کے انتہائی شمالی علاقے دیر سے تعلق رکھنے والے برادرم محمد نعیم صاحب تھے — اور دوسرے پاکستان کے انتہائی جنوب یعنی کراچی سے تعلق رکھنے والے' تنظیم کے معمر ترین رفیق اور میرے ''بزرگ'' شیخ جمیل الرحمٰن (مرحوم) تھے۔ برادرم قمر سعید قریشی صاحب جو انجمن کے مؤسسین میں بھی شامل ہیں — اور تنظیم کے بھی تاسیسی ارکان میں سے ہیں' ان کا کہنا ہے کہ ان دونوں حضرات سے بھی قبل انہوں نے آں عزیز کا نام تجویز کیا تھا۔ لیکن نہ معلوم کیوں یہ مجھے یاد ہی نہیں رہا تھا — بلکہ ان کے یاد دلانے پر بھی یاد نہیں آیا! پھر ایک موقع پر شیخ جمیل الرحمٰن صاحب (مرحوم) اور جناب عبداللطیف عقیلی صاحب (جو کراچی کی انجمن اور تنظیم دونوں کے فعال رکن ہیں) میرے پاس آئے اور انہوں نے عزیزم عاکف کے لئے دلائل دینے شروع کئے تو میں نے موجود الوقت ماحول میں بیٹے کی نامزدگی سے اعتراضات کا جو طوفان اُٹھ سکتا تھا اس کے پیش نظر کہا: ''آپ جو کچھ فرما رہے ہیں وہ سب کچھ اپنی جگہ! — لیکن وہ میرا بیٹا ہے!!'' — اس پر جناب عقیلی صاحب نے فرمایا: ''ڈاکٹر صاحب! بیٹا ہونا کوئی ڈس کوالیفکیشن (Disqualification) تو نہیں ہے!'' جس پر میں لاجواب ہو کر رہ گیا — لیکن اس سب کے باوجود میں مذبذب اور متردّد ہی رہا۔ چنانچہ 97ء کے اجتماع ملتزم رفقاء کے بعد جو پہلا اجلاس مرکزی مجلس مشاورت کا ہوا اس موقع پر میں نے جملہ اراکین مشاورت سے علیحدگی میں مشورہ بھی طلب کیا اور ان کے مشوروں پر ردّ و قدح بھی کی اور جرح و تعدیل بھی! 97ء کے شش روزہ اجتماع کے دوران آنے والی آراء کو پراسیس کرنے اور پھر اس کے بعد کی گفتگوؤں کے نتیجے میں میرا ذہن تو عزیزم عاکف کی طرف منتقل ہو گیا تھا بلکہ ان کے اوصاف کے ضمن میں جو کچھ سینئر رفقاء کی جانب سے سننے میں آیا اس پر خود مجھے حیرت ہوئی کہ میرے ذہن میں ان کا نام اب تک کیوں نہیں آیا تھا' لیکن متذکرہ بالا اندیشے کے پیش نظر میری کیفیت وہی تھی جو سورۂ احزاب میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی بیان ہوئی ہے!

بہرحال رمضان مبارک کے دوران مسلسل غور و فکر اور استخارہ کے جواب میں میرا ذہن الفاظ قرآنی: ﴿وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ﴾ (اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ خدا ہی اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو) پر جم گیا۔ چنانچہ میں نے اجلاس مشاورت منعقدہ 14-15/اپریل 1998ء میں اعلان کر دیا کہ میرے بعد امیر تنظیم عزیزم عاکف سعید سلمہ ہوں گے۔ البتہ ابھی ان کی حیثیت ''زیر تربیت'' کی رہے گی اور تنظیم کا موجودہ نظم علیٰ حالہٖ برقرار رہے گا!

الغرض! یہ ہے مختصر داستان اس طویل سلسلۂ مشاورت کی جس کے نتیجے میں امیر تنظیم اسلامی کی حیثیت سے میرے جانشین کے طور پر عزیزم عاکف سعید صاحب کا تقرر ہوا!

عزیزم عاکف سعید کی جانشینی کے فیصلہ کا خیر مقدم تنظیم اسلامی کے رفقاء کے حلقے میں عمومی خوشدلی کے ساتھ ہوا۔ صرف اکا دکا رفقاء نے اسی عام تصور کے تحت جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے' شدت تاثر میں تنظیم سے علیحدگی اختیار کر لی — بہرحال میں اپنی جگہ پوری طرح مطمئن ہو کر ایک SENSE OF RELIEF کی سی کیفیت کے ساتھ گھٹنوں کے بڑے اپریشن کے لئے امریکہ روانہ ہو گیا' جہاں تین ماہ کے لگ بھگ قیام رہا۔ اس عرصے کے دوران عزیزم عاکف نے ہی قائم مقام امیر کے فرائض سرانجام دیئے۔ اور واپسی پر جو حالات معلوم ہوئے ان سے اپنے فیصلہ پر بحمد اللہ مزید انشراح ہوا۔ اس کے بعد بھی میرے اسفار کے دوران یہی عمل جاری رہا۔

بعد ازاں جب میں نے ستمبر 2002ء میں منعقد ہونے والی شوریٰ کے اجلاس میں تنظیم کی امارت سے سبکدوش ہونے کا اعلان کیا تو میں نے سب سے پہلے خود عزیزم حافظ عاکف سعید سلمہٗ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور پھر تنظیم کی مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ کے پچاس کے لگ بھگ ارکان نے بھی بیعت کر لی (سوائے دو حضرات کے) اور اس طرح تنظیم کی قیادت نہایت ہموار طریقے پر اگلی نسل کو منتقل ہو گئی۔

اب میں اپنی آنکھوں کے سامنے تنظیم کی آئندہ قیادت کو کام کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں — جس سے اطمینان حاصل ہو رہا ہے کہ ان شاء اللہ تنظیم اسی نہج پر کام کرتی رہے گی۔ اور جس طرح جانشین کے فیصلے کے بعد میں پورے اطمینان کے ساتھ بڑے اپریشن کے لئے امریکہ روانہ ہوا تھا' ان شاء اللہ اسی طرح کے اطمینان کے ساتھ اپنی عمر بھر کی کمائی کو اپنی نگاہوں کے سامنے پھلتے پھولتے دیکھ کر عالم آخرت کے سفر پر روانہ ہو سکوں گا! اللّٰھم آمین!

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

3 دسمبر 2003ء

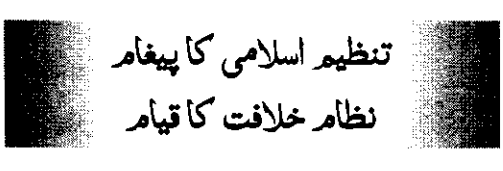

قائدِاعظم کے بسترِ علالت کے قریب چند لمحے

نورالعین قاضی

کوئٹہ سے ستر میل دور اس سے خاصی بلندی پر ایک کھلی وادی میں ایک نہایت حسین و پر فضا مقام زیارت واقع ہے۔ یہ دراصل ایک مختصر سا گاؤں ہے جس کی آبادی بھی بہت کم ہے۔ اس گاؤں سے کافی فاصلے پر اور اس سے خاصی اونچائی پر وسیع و عریض رقبے پر پھیلے ہوئے باغات آتے ہیں جن میں صنوبر کے درخت بکثرت اُگے ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی ہر قسم کے پھلوں کے درخت جیسے چیری، بادام، اخروٹ، پستہ، انجیر بھی بھاری تعداد میں لگے ہیں۔ لیکن اکثریت صنوبر کے درختوں کی ہے جن کے اس وادی میں بلکہ پہاڑوں پر بھی جنگل کے جنگل اگے ہوئے ہیں اور فضا میں ان کی خوشگوار مہک رچی ہوئی ہے۔ جنگلی گلاب اور ہر قسم کے پھولوں کی بھی وہاں بہتات ہے۔ جنگلی گلاب کے جھاڑی نما پودے تو وہاں ہر جگہ دیکھنے میں آتے ہیں۔ انہی باغات کے درمیان وسیع و عریض رقبہ پر سبزے کے خوبصورتی سے تراشے ہوئے قطعات، ان کے کناروں پر اُگے اونچے درختوں کی قطاروں اور ان کے نیچے بنی رنگارنگ پھولوں سے مزین کیاریوں کے وسیع لانوں کے وسط میں سبز رنگ کا ڈھلوان چھتوں والا وہ چوبی دو منزلہ بنگلہ واقع ہے جو ملک بھر میں قائدِاعظم کی ریذیڈنسی کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ جس کی تصاویر اکثر ٹی وی، اخبارات اور رسائل وغیرہ میں آیا کرتی ہے۔ اسی سبز رنگ کے چوبی بنگلے میں قائدِاعظمؒ نے اپنی زندگی کے آخری ایام علالت گزارے تھے۔

زیارت کی حیثیت ایک بہترین تفریحی مقام کی بھی ہے۔ یہ مقام خاصی بلندی پر ہونے کے سبب گرمیوں میں بھی کوئٹہ کی نسبت زیادہ سرد رہتا ہے۔ ٹھنڈی اور سرد و خشک جسم میں کپکپی دوڑا دینے والی ہوا ہر دم رواں رہتی ہے۔ یہاں سردیوں کا موسم بھی جلد شروع ہو جاتا ہے اور طویل دورانیے کا ہوتا ہے۔ بھاری برف باری ہوتی ہے جو باغات اور کھیتوں کے لیے بڑی فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ گرمیوں میں برف پگھلنے پر پہاڑوں سے ندیاں نالے رواں ہو جاتے ہیں۔ مختصر مدت کے موسمِ گرما میں یہ علاقہ حسنِ فطرت کے ایک حسین شاہکار کا منظر پیش کرنے لگتا ہے۔ اس لیے نہ صرف کوئٹہ اور اس کے نواحی علاقوں کے بلکہ پنجاب و سندھ کے مختلف شہروں کے لوگ بھی بغرض تفریح یہاں پہنچتے ہیں۔ وہاں حکومت کی طرف سے ایک ریسٹ ہاؤس بنایا گیا ہے، جس میں معقول کرایہ پر کمرے مل جاتے ہیں۔ اس ریسٹ ہاؤس کی عمارت خاصی کھلی اور خوبصورت ہے۔ جس کا غالب حصہ پھولوں بھرے سرسبز و شاداب لانوں پر مشتمل ہے۔ ریذیڈنسی اس ریسٹ ہاؤس سے کافی فاصلے پر اور خاصی بلندی پر واقع ہے۔ جہاں تک پہنچنے کے لیے کافی سڑکیں طے کرنی پڑتی ہیں۔ اس ریسٹ ہاؤس میں ایک صاف ستھرا وسیع ہوٹل بھی بنا ہوا ہے۔ جہاں ناؤنوش کا بہترین انتظام ہے۔ اصل گاؤں زیارت اس جگہ سے خاصی دوری پر واقع ہے۔ پہلے یہ چند گھروں پر مشتمل ایک مختصر سی بستی ہوا کرتا تھا، اب یہ کافی ترقی کر گیا ہے۔ اس کی آبادی بھی بڑھ گئی ہے۔ وسائل بھی ترقی کر گئے ہیں۔ اس میں سکول، سرکاری دفاتر، بازار وغیرہ کھل گئے ہیں، جہاں ضروریاتِ زندگی کی ہر چیز دستیاب ہے۔ آبادی کی اکثریت پٹھان ہے۔ چند بلوچ گھرانے بھی وہاں بستے ہیں۔ عام بلوچستانی دیہاتوں کی طرح یہاں کے باشندے بھی بے حد غریب ہیں۔ یہ باغات اور کھیتوں میں کام کرتے اور بھیڑ بکریاں اور اونٹ پالتے ہیں۔ یہاں سفید اور سرخ رنگ کے اونٹ بکثرت دیکھنے میں آتے ہیں۔

کوئٹہ میں رہائش کے دوران ہمیں کئی مرتبہ زیارت کی سیر کا موقع ملا۔ کوئٹہ سے زیارت جانے والی سڑک زیادہ تر ویران میدانوں میں سے گزرتی ہے۔ راستے میں اکثر پہاڑی نشیب و فراز اور موڑ آتے ہیں۔ اس سڑک کے دونوں طرف دور دور تک شہتوت، چیڑ اور جنگلی اخروٹ کے بلند و بالا گھنے درخت بکثرت اُگے ہوئے ہیں۔ یہ تمام راستہ ویران ہی ہے۔ اس میں کوئی آبادی نہیں دکھائی دیتی۔ اکا دکا چھوٹی چھوٹی بستیاں البتہ دکھائی دے جاتی ہیں جو چند گھروں پر مشتمل ہوتی ہے۔

جب ہم پہلی مرتبہ زیارت گئے تو وہ جنرل ضیاء الحق کا دورِ حکومت تھا اور ریذیڈنسی گورنر بلوچستان جنرل رحیم الدین کا گرمائی ہیڈکوارٹر تھی۔ اس وقت وہاں عام داخلہ ممنوع تھا۔ بلکہ داخلے کے لیے دو سو روپے فی کس دینا پڑتے تھے۔ اس لیے بہت کم لوگ اندر جا پاتے تھے۔ جب تک یہ پابندی عائد رہی ہم اندر داخلے سے محروم رہے۔ پھر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جب یہ پابندی اُٹھالی گئی اور ریذیڈنسی ہر خاص و عام کے لیے کھول دی گئی تو ہمیں بھی اندر جانے کا موقع مل گیا۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے یہ انگریزوں کی تعمیر کردہ ایک دو منزلہ چوبی عمارت ہے جسے سبز رنگ کیا گیا ہے۔ ایک مختصر سے برآمدے کے آگے ایک مختصر سی راہداری آتی ہے، جس میں اوپر کی منزل پر جانے کے لیے چوبی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ نچلی منزل بند ہی رہتی ہے۔

سفید ریش معمر پٹھان چوکیدار ہمیں اوپر کی منزل پر لے گیا۔ چوبی سیڑھیاں چڑھنے کے بعد ایک مختصر سا برآمدہ آتا تھا۔ اس کا فرش بھی چوبی تھا۔ وہاں سامنے کے رخ ایک مختصر سی گیلری بنی ہوئی تھی۔ اس برآمدے میں ایک طرف بڑی سی میز اور اس کے برابر ایک کرسی رکھی ہوئی تھی۔ معلوم ہوا یہ قائدِاعظم کی لکھنے کی میز تھی۔ اس برآمدے میں دائیں طرف ایک کھلا کمرہ واقع تھا جس کی صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ اس کی کھڑکیاں اور روشندان کھلے تھے، اس لیے وہ خوب روشن روشن اور اجلا دکھائی دے رہا تھا۔ اس میں ایک طرف کچھ صوفے جو کچھ پرانے سے معلوم ہوتے تھے، قرینے سے رکھے تھے۔ ان کے سامنے تپائیاں رکھی تھیں۔ ان سے کچھ ہٹ کر ایک پلنگ بچھا تھا جس پر فوم کے گدے جیسا ایک موٹا سا گدا بچھا تھا، جس پر سفید ململ کی سی چادر بچھی تھی۔ اس گدے پر ہلکے سبز اور ہلکے نیلے رنگ کے دو

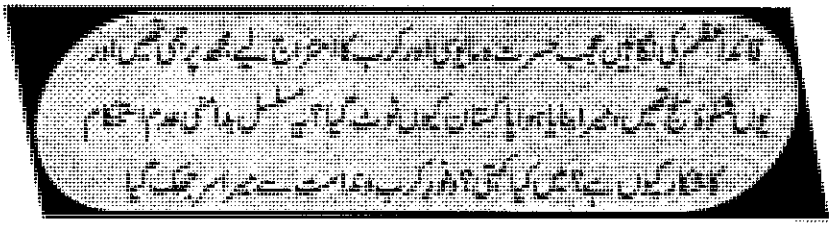

> قائداعظم کی آنکھیں عجب حسرت و مایوسی اور کرب کا امتزاج لیے مجھ پر جمی تھیں اور یوں شکوہ سنج تھیں۔ میرا بنایا ہوا پاکستان کیوں ٹوٹ گیا؟ یہ مسلسل بدامنی عدم استحکام کا شکار کیوں ہے؟ میں کیا کہتی؟ وفورِ کرب و ندامت سے میرا سر جھک گیا

کمبل بے ترتیبی سے پڑے تھے۔ چوکیدار نے ہمیں بتایا کہ یہ قائدِاعظم کا بسترِ علالت تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام اسی بستر پر گزارے تھے۔ میرے رفقاء اس کمرے کو دیکھنے کے بعد وہاں سے نکل گئے، مگر میں نہ جانے کس جذبے یا تاثر کے زیرِ اثر وہاں رک گئی۔ وہاں قائدِاعظمؒ کے بسترِ علالت کے قریب کھڑے جو منظر میری چشمِ تصور کے سامنے اجاگر ہوا وہ اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود میری لوحِ حافظہ پر جوں کا توں نقش چلا آ رہا ہے۔ اسے تخیّل کا کرشمہ کہنا چاہیے یا خواب۔ وہ جو کچھ بھی تھا، شاید مجھے عمر بھر نہ بھول سکے۔

میں نے دیکھا۔ اس بستر پر قائداعظم سینے تک ہلکے سبز رنگ کا کمبل اوڑھے لیٹے تھے۔ ان کے سفید استخوانی ہاتھ کمبل سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ مسلسل بیماری اور کمزوری نے انہیں مشتِ استخوان بنا دیا تھا۔ ان کے دبلے پتلے چہرے پر اب ہڈیاں ہی نمایاں تھیں۔ ان کی آنکھیں جن میں بے پناہ چمک ہوا کرتی تھی، بجھی بجھی سی اپنے حلقوں میں گہری دھنس چکی تھیں۔ وہ عجب حسرت و مایوسی اور کرب کا امتزاج لیے مجھ پر جمی تھیں اور یوں شکوہ سنج تھیں۔ یہ کیا ہوگیا؟ کیا اس پاکستان کے لیے میں نے ایسی جانگسل جدوجہد کی تھی؟ میں بوڑھا آدمی تھا۔ بوڑھا اور ناتواں۔ میری عمر آرام کرنے کی تھی۔ لیکن قوم نے مجھ پر جو ذمہ داری ڈالی اسے پورا کرنے کے لیے میں نے اپنا آرام سکھ چین سب تج دیا۔ مسلمانانِ ہند کو اپنا الگ وطن دینے کے لیے میں نے اپنی زندگی قربان کردی۔ لیکن یہ کیا ہوگیا؟ میرا بنایا ہوا پاکستان کیوں ٹوٹ گیا؟ یہ مسلسل بدامنی عدم استحکام کا شکار کیوں ہے؟ تفرقہ پسندی، قوم پرستی، صوبہ پرستی علیحدگی پسندی کے زہر سے کیوں زہریلا ہے؟ اسے یہ کیا ہوگیا؟ کیوں ہوگیا؟ وفورِ کرب و ندامت سے میرا سر جھک گیا۔ میں کیا کہتی؟ ہوسِ اقتدار، سازشوں، غداریوں، وطن فروشیوں اور خود غرضیوں کی داستان اتنی طویل دلخراش اور شرمناک تھی کہ اسے سنانے کی مجھ میں نہ ہمت تھی۔ میں چپ چاپ عرقِ انفعال میں بھیگتی رہی۔

پھر میں نے سر اُٹھایا۔ قائداعظم کے بستر کے دوسری طرف ان کے جاں نثار و وفاکیش رفقاء کھڑے تھے۔ میری نظریں ان پر پڑتی گئیں۔ نوابزادہ لیاقت علی خان، خواجہ ناظم الدین، فضل حق، نواب ممدوٹ، راجہ صاحب محمود آباد، سردار نشتر، خان عبدالقیوم، قاضی عیسیٰ، بہادر یار جنگ۔ وہ سب مجھے دیکھ رہے تھے۔ اسی ملامت اور شکوہ بھری نظروں سے۔ کیا اسی پاکستان کے لیے ہم نے اپنی دولت، جائیدادیں، اپنے وطن، اپنی جوانیاں اپنی زندگیاں قربان کی تھیں؟ اس کی حفاظت تم لوگوں سے کیوں نہ ہو سکی؟ ڈھاکہ، چٹاگانگ، راجشاہی کہاں گئے؟ ہم نے پاکستان کیا فوجی حکومتوں کے لیے بنایا تھا؟ ٹوٹنے کے لیے بنایا تھا؟ لوٹ کھانے کے لیے بنایا تھا؟ میرا سر پھر جھک گیا۔ گزشتہ حکومت سے لے کر اس وقت تک کی حکومت کی تاریخ کے سیاہ ابواب پہاڑوں کی طرح میرے سر پر ٹوٹنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی وہ خواب، تخیّل کا کرشمہ بھی ختم ہوگیا۔ میرے سامنے قائدِاعظم کا بستر خالی پڑا تھا۔ کمرہ بھی خالی تھا۔

اس واقعہ کے بعد مجھے کئی مرتبہ زیارت جانے کا موقع ملا۔ لیکن ریذیڈنسی میں داخل ہونے کی ہمت نہ ہوئی۔ قائدِاعظم پاکستان کے لیے جو ذمہ داریاں قوم پر ڈال گئے تھے وہ صرف حکمرانوں کے لیے ہی مخصوص نہیں تھیں بلکہ قوم کے ایک ایک فرد پر عاید ہوتی تھیں۔ اگر صرف اتنا ہی ہوتا کہ قوم کا ایک ایک فرد ان ذمہ داریوں کا احساس کرتا، ان کی بجا آوری میں مخلص اور بے خوف ہوتا تو اس کا کوئی سوال پیدا نہ ہو سکتا تھا کہ ہم پر نااہل و نالائق حکمران اور فوجی آمر مسلط ہوتے رہتے، جن کے ہاتھوں قائدِاعظم اور ان کے مخلص جاں نثار بے غرض و بے لوث رفقاء کی جدوجہد اور محنت سے بنائے گئے پاکستان کے بخیے ادھڑتے رہتے۔ وہ مسلسل پستیوں میں گرتا چلا جاتا۔ دو ٹکڑے ہو جاتا۔ لوٹ مار کا میدان بن جاتا۔ اقوامِ عالم میں ذلت و خواری، تضحیک و تحقیر کا نشان بن جاتا۔

پاکستانی عوام کو اگر دنیا کی سب سے بے حس، ٹھس، بے غیرت و بے حمیت، فہم و ادراک، شعور و تدبر سے عاری قوم کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ محسنِ پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان بھی اپنے اکثر مضامین میں پاکستانی عوام کو یہی خطابات دے چکے ہیں اور الطاف حسن قریشی (مدیر ''اردو ڈائجسٹ'') بھی لکھتے آئے ہیں کہ ''پاکستانی عوام کی عقلوں پر ماتم کرنے کا دل چاہتا ہے۔'' دنیا کی شاید ہی ایسی قوم ہو جو جانتے بوجھتے حد درجہ پست کردار، کمین فطرت اور شیطان صفت افراد کو بھاری تعداد میں ووٹ دے کر اپنے سروں پر مسلط کرتی ہو اور پھر اور ان کے سیاہ کرتوتوں کو ہنسی خوشی گوارا کر لیتی ہو۔

قائدِ ملت لیاقت علی خان کے قتل کے بعد جس طرح خواجہ ناظم الدین جیسے شریف و وضع دار شخص کی حکومت گرائی گئی اور نکمے اور ناکارہ مفلوج گورنر جنرل غلام محمد کو بخوشی قبول کیا گیا، پھر شب خون کے ذریعے فوجی آمر سکندر مرزا، پھر ایوب خان کی حکومتیں خوشی خوشی قبول کی گئیں، اسے پاکستانی عوام کی سیاسی بے بصیرتی، بے عقلی، بے حمیتی اور کوتاہ اندیشی کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ 1964ء کے انتخابات میں جب ایوب خان قائداعظم کی واجب التکریم بوڑھی بہن فاطمہ جناح کے مقابلے پر کھڑا ہوگیا اور جس دھونس دھاندلی سے اسے شکست دی اس پر بھی عوام نے کوئی صدائے احتجاج بلند نہ کی۔ انتخابی مہم کے دوران ایوب خانی سیاستدانوں مثلاً بھٹو نے تو محترمہ فاطمہ جناح کے بارے میں ایسی گندی زبان استعمال کی جسے لکھتے قلم بھی شرمائے، حالانکہ اپنی انہی بہن کے لیے قائدِاعظمؒ نے فرمایا تھا، مسلم لیگ ہے کیا؟ میں اور میری بہن اور بس.....'' انہوں نے اپنی ان بہن کے بارے میں جن جذبات کا اظہار کیا ہے اور ان کی اپنی اور قوم کے لیے جن خدمات کا تذکرہ کیا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ اس کے باوجود شاباش ہے پاکستانی عوام کو کہ انہوں نے قائدِاعظم کی ان واجب الاحترام بوڑھی بہن کے مقابلے میں ایک فوجی آمر اپنے سروں پر لا بٹھایا، جس نے وہ گل کھلائے کہ اس کی تصاویر کو جوتیوں کا ہار پہننا پڑا اور وہ خود ''کتے'' کے لقب سے سرفراز ہوکر گوشۂ گمنامی میں چلا گیا۔ مگر جاتے جاتے ایک اور فوجی آمر عیاش و بدکردار یحییٰ خان کو عوام کے سروں پر بٹھا گیا۔ جنہوں نے حسبِ عادت اپنی بے حسی، بے عقلی اور بے شعوری کا ثبوت دیتے ہوئے اس کا ہنسی خوشی سواگت کیا۔ اس بدکردار عاقبت نااندیش فوجی حکمران کے ہاتھوں

پاکستان دو ٹکڑے ہوا۔ مگر عوام پھر بھی نہ سنبھلے اور جذباتیت کی رو میں بہہ کر فوجی آمریت کے زیرِ سایہ پروان چڑھنے والے بھٹو کو بھاری اکثریت سے جتوا دیا۔ پیپلز پارٹی کی اس جمہوری حکومت نے اپنے پانچ سال ضرور پورے کر لیے، لیکن اس کی پالیسیوں نے عوام کو اس کے خلاف کھڑا کر دیا (بلکہ مخالف سیاستدانوں نے عوام کو مذہب کے نام پر بھڑکا کر اس کے خلاف کھڑا کیا) اس ایجی ٹیشن کا نتیجہ قوم اور ملک کے حق میں بے حد ہی برا نکلا۔ جنرل ضیاء الحق کی آمریت ملک پر مسلط ہوگئی جو گیارہ سال تک رہی۔ اس طویل آمریت کے زمانے میں ملک میں جو کچھ ہوتا رہا اور جس کے ثمرات قوم آج تک سمیٹ رہی ہے محتاجِ بیان نہیں۔ پھر بے نظیر بھٹو کی جمہوری حکومت آئی۔ یہاں واقعی عوام کی عقلوں کا ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے۔ قائدِ اعظم کی بہن کے بارے میں تو یہ عذر بڑی شد و مد کے ساتھ تراشا گیا کہ اسلام عورت کی حکمرانی کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن اب وہ عذر جانے کہاں غائب ہوگیا اور ایک کم عمر، ناتجربہ کار اور نالائق عورت ملک کی حکمران بن گئی۔ اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کی دھجیاں بکھر کر رہ گئیں، مگر عوام نے کیا پروا کرنی تھی؟ پیپلز پارٹی کی زنانہ حکومت دو مرتبہ ملک پر مسلط ہوئی اور دونوں مرتبہ اپنی مدت پوری کیے بغیر بے شمار الزامات کی پاداش میں معطل ہوئی۔ اسی طرح مسلم لیگ (ن) کی حکومت بھی دونوں مرتبہ اپنی مدت پوری نہ کر سکی اور یہی الزامات سر پر دھرے رخصت ہوئی۔ اس کے دوسرے دورِ اقتدار کا خاتمہ ایک خوف خدا سے عاری، بے ضمیر اور سیاہ کار فوجی جرنیل پرویز مشرف کے ہاتھوں ہوا جو ملکی تاریخ کا سب سے گھناؤنا کردار ہے۔ وہ اپنے نو سالہ دورِ حکومت میں جو کچھ کرتا رہا، عوام خاموش تماشائی بنے دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ ملک کا خوب اچھی طرح سے ستیاناس کر چکنے اور اسے عملاً امریکہ کی نو آبادی بنا چکنے کے بعد گارڈ آف آنر لے کر باہر سدھار گیا اور ملک پر ایک بار پھر بار بار کے آزمائے ہوئے نااہل و نالائق کندۂ ناتراش، پست کردار لوگوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ یعنی عوام نے ایک مرتبہ پھر اپنی بے عقلی، بے شعوری اور بے مغزی کا ثبوت دیتے ہوئے انہیں دوبارہ اپنے سر پر بٹھا لیا۔ ان کندۂ ناتراش نااہل و نالائق حکمرانوں کے ہاتھوں ملک و قوم کی جو درگت بن رہی ہے، انہیں جس طرح لوٹا کھایا جا رہا ہے، دنیا بھر میں جو ہماری رسوائی اور بدنامی ہو رہی ہے وہ سب کے سامنے ہے۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پیپلز پارٹی کی حکومت کا بار بار مزہ چکھ لینے کے بعد عوام اسے ہمیشہ کے لیے مسترد کر دیتے اور باکردار اور بے داغ ماضی کے حامل افراد کو حکومت کے لیے چن لیتے، بی بی کے قتل کے دکھ نے ان کی عقلیں خبط کر دیں۔ انہوں نے مارے ہمدردی، رحم اور محبت کے پھر بے ضمیر اور بے کردار لوگوں کو جنہیں وہ خوب جانتے پہچانتے اور ان کا تجربہ رکھتے تھے پھر اپنے اوپر مسلط کر لیا۔ اب اپنی اس حماقت مآبی کا مزہ اب ہر پہلو سے چکھ رہے ہیں۔

پاکستان بناتے وقت اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا گیا تھا کہ اس ملک میں اسلامی نظام نافذ کیا جائے گا، احکامات شریعت نافذ ہوں گے، عدل و انصاف ہوگا، آج تک پورا نہیں کیا گیا۔ ہر حکومت اسلامی نظام کے نفاذ سے بدکتی رہی۔ عوام بھی مؤثر قوت ہونے کے باوجود اس کے لیے میدان میں نہ اترے۔ 1977ء میں جو تحریکِ نظام مصطفیٰ چلائی گئی تھی وہ صرف بھٹو حکومت کو گرانے کے لیے تھی، منافقت سے بھرپور۔ ملک میں آج تک اسلامی نظام نافذ نہیں ہو سکا۔ چاہے پیپلز پارٹی کی حکومت ہو یا مسلم لیگ کی (جس کے رہنماؤں کو اب حبِ وطن اور خدمتِ وطن کا بخار چڑھا ہوا ہے) یا فوجی آمروں کی۔ سب نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی پر ہی کمر باندھے رکھی۔ نتیجتاً اللہ تعالیٰ کا قہر و غضب ہم پر بھڑکتا آ رہا ہے۔ بدامنی، تباہی و بربادی، خون خرابہ، زلزلے اور اب یہ بھیانک سیلاب۔

پاکستانی عوام اب تو خدارا ہوش کے ناخن لیں۔ بار بار کے آزمائے ہوئے منافقین کو ہرگز کرسیٔ اقتدار پر نہ بٹھائیں، بلکہ سچے مسلمان، سچے محبِ وطن، باکردار، غیرت مند، خوددار اور دیانت دار افراد کو ووٹ دے کر اسمبلیوں میں پہنچائیں۔ جو نفاذِ اسلام میں بھی مخلص ہوں، جن کی رہنمائی میں ملک اتحاد و امن، ترقی و سربلندی کی راہ پر گامزن ہو سکے، جو ملک کو امریکی غلامی سے نجات دلا کر ایک پروقار آزاد و خودمختار ملک بنا سکیں۔ قرآن پاک کی سورۃ الرعد کے علاوہ کئی سورتوں میں ارشاد خداوندی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی ایسی قوم کی حالت نہیں بدلی جس نے اپنی حالت بدلنے کی کوشش نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ سب کو صحیح الدماغ بننے اور صحیح فیصلے کرنے کی توفیق دے۔ آمین

قولِ سدید

استثنا کی آڑ لینا اقبالِ جرم ہے

ظفر عمر خان نافی

صدر زرداری کا اپنے اوپر لگائے ہوئے الزامات کی سزا سے بچنے کے لیے صدارتی عہدے کے استثنا کی آڑ لینا اور عدالت کا سامنا کرنے سے گھبرانا اقبالِ جرم کے مترادف ہے۔ اگر وہ بے گناہ ہوتے تو صدر کے عہدے سے مستعفی ہو کر عدالت سے برئت حاصل کرتے جو تاعمر ان کی بے گناہی کے سرٹیفکیٹ کا کام کرتی اور کسی کو ان کی طرف انگلی اُٹھانے کی جرأت نہ ہوتی۔ عدالت سے پاک صاف ہو کر وہ دوبارہ الیکشن لڑ کر صدر بن سکتے تھے اور اِس دفعہ ان کی اور ان کی پارٹی کی عزت پہلے سے زیادہ ہوتی۔ صرف استثنا کی چھتری کے نیچے بیٹھ کر وہ زیادہ دن صدارت کے عہدے سے لطف اندوز نہیں ہو سکیں گے۔ آئینی مدت پوری کرنا بھی شاید ان کے لیے مشکل ہو جائے۔ لوگ ''بدنام'' ہونے کی وجہ سے صدر کا انتخاب لڑنے کے لیے ان کی اہلیت کو چیلنج کر کے، ان کے بطور صدر انتخاب کو ہی عدالت عظمیٰ سے کالعدم قرار دلوا سکتے ہیں۔ پھر ان کا اور ان کے خاندان کا کیا مستقبل ہوگا؟ فاطمہ بھٹو ان پر اپنے والد مرتضیٰ بھٹو کے قتل کا الزام تسلسل سے لگاتی رہی ہیں۔ صدارت کی چھتری سے ہٹنے کے بعد یہ مقدمہ بھی دائر کیا جا سکتا ہے۔ پھر کیا ہوگا؟ اور بے نظیر بھٹو کا قتل بھی ''پُراسراریت'' سے بھرپور ہے۔

کرپشن صدر زرداری کے لیے سانپ کے منہ کی چھچھوندر بن گئی ہے۔ وہ اللہ سے توبہ کریں، قوم سے معافی مانگیں اور پاکستان سے لوٹی ہوئی دولت واپس لے آئیں تو شاید اللہ ان کی مشکلات سے نجات کا کوئی راستہ نکال دے، ورنہ جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

ع حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

قادیانی اسرائیلی گٹھ جوڑ سے

الجزائر میں ارتدادی سرگرمیاں پھیلانے کی کوشش

الجزائری اخبار کی چشم کشا رپورٹ

عبدالطیف خالد چیمہ
سیکرٹری جنرل مجلس احرار اسلام پاکستان

الجزائری اخبار ''الفجر'' کے مطابق ماہرین معیشت اور علماء دین نے عوام کو قادیانیوں کے ساتھ معاملات کرنے سے خبردار کیا ہے کیونکہ یہ جھوٹے ہتھکنڈوں سے ممنوعہ اشیاء پر حلال مصنوعات کا لیبل لگا کر اشیائے خوردنوش مسلمانوں کو فروخت کرتے ہیں، الجزائری مسلمان ان کا خاص ہدف ہیں۔ الجزائر محل وقوع کے لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ملک ہے۔ اسے افریقہ کے تجارتی گیٹ کا درجہ حاصل ہے۔ قادیانی لوگ تجارتی منڈی پر قبضہ کر کے علاقائی تجارت کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہیں۔ آئے روز مختلف منصوبوں اور ماہرین کی مشاورت سے قومی خزانے کو نرخ بڑھانے کا پابند کرتے ہیں۔ ان کا یہ طریقہ کار ''موساد'' کے سابقہ طریقہ کار سے بالکل ملتا جلتا ہے اور یہی اسرائیلی انٹیلی جنس افریقہ میں تباہی پھیلانے کی ذمہ دار تھی، اس طور پر کہ بعض افریقی سربراہان نے اسرائیل کے ایجنٹ کے طور پر کام کرنے والے بین الاقوامی ماہرین سے مشاورت کی، اس کی وجہ سے انہیں اس قدر معاشی بحران کا سامنا کرنا پڑا کہ بالآخر انہوں نے ملکی معیشت کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا جبکہ الجزائر اس سے پہلے بھی اس قسم کے بحرانوں سے دوچار رہ چکا ہے۔

اخبار نے اپنے بدھ کو شائع ہونے والے ایک حالیہ ایڈیشن میں اسلام کے دعویدار قادیانی فرقہ کی پھیلتی تجارتی سرگرمیوں کے بارے میں ''عالمی مجلس نوجوانان اسلام'' کی مرتب کردہ رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ قادیانی اسرائیل کے تعاون سے عرب اسلامی دنیا میں ارتدادی سرگرمیوں کی ترویج کے لیے حرکت میں آچکے ہیں اور الجزائر بھی ان کی سرگرمیوں کی زد میں آنے والے ممالک میں سے ایک ہے۔ مجلس نے اپنی رپورٹ میں 1974ء میں جاری کردہ علماء کے اس متفقہ فیصلے کا ذکر بھی کیا، جس میں قادیانی گروہ کی تکفیر کی گئی ہے۔

عالمی مجلس نوجوانان اسلام کے مطابق قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے پیچھے برطانیہ کا ہاتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برطانیہ ان کو مختلف محکموں اور خفیہ اداروں میں اعلیٰ عہدوں سے نوازتا رہا ہے۔ افریقہ سمیت مختلف مسلم ممالک کے اقتصادی اداروں میں بحیثیت مسلمان مشیر کے قادیانیوں کی تقرری ہو چکی ہے اور ساتھ ہی انہیں ایک ہی دین (یعنی اسلام) کے پیروکاروں میں اتحاد کے نام پر ان میں ضم ہونے کا ٹارگٹ سونپا گیا ہے۔ واضح رہے کہ 1974ء میں ''رابطہ عالم اسلامی'' مکہ مکرمہ کے اجلاس میں علماء کی کثیر تعداد جن میں ابن بازؒ، ناصر الدین البانیؒ اور جامعہ ازہر کے مختلف مشائخ کے علاوہ دیگر اکابر علماء شامل تھے..... قادیانیوں کو خارج از اسلام قرار دے چکی ہے۔ ''رابطہ عالم اسلامی'' کا خاص طور پر یہ موقف تھا کہ قادیانی فرقے کا بانی غلام احمد قادیانی..... ہندوستانی پنجاب میں واقع قادیانی شہر کی طرف نسبت کرتا ہے۔ انگریز کا پروردہ ہے کیونکہ اس کا رب اسے انگریزی میں وحی کرتا تھا۔

ایشیا اور افریقہ کے سرحدی علاقوں میں ان کی سرگرمیاں عروج پر ہیں۔ یہ لوگ اقتصادی معاونت اور تجارتی نیٹ ورک کے ذریعے اسلامی دنیا میں اپنے ہدف کے حصول میں سرگرداں ہیں۔ اسی طرح وہ مختلف غذائی شعبہ جات سے متعلق مصنوعات کو اُن پر حلال کا لیبل لگا کر فروخت کرتے ہیں، جن میں گوشت اور مرغی بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ہندوستانی اور اسرائیلی دیگر مصنوعات کا یہی حال ہے۔ یہ لوگ تجارتی معاملات کے فروغ کے لیے اسرائیل اور اس کے حلیف برطانیہ سے برأت کا اظہار کر کے اسلامی دنیا کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں، اور یوں تجارتی سرگرمیوں کی آڑ میں قادیانیت کو فروغ دے رہے ہیں۔ قادیانیت اپنے بنیادی عقائد کے لحاظ سے عیسائیت کے مشابہ ہے کیونکہ یہ لوگ شراب اور الکحل کو جائز سمجھتے ہیں۔ اسی طرح خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے بعد اپنے آپ کو ایک نئی شریعت کا پیروکار گردانتے ہیں۔

اس فرقہ کے پیروکار اسرائیل کے ساتھ قیام امن کے خواہاں ہیں۔ اسرائیل کی طرف سے ان کو ہدایات دی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ الجزائر کی معیشت سے متعلق منصوبہ جات سے باخبر رکھا جاتا ہے۔ یہ لوگ برطانیہ کو ہی اپنی جائے پناہ سمجھتے ہیں، جبکہ برطانیہ ان کو سراغ رسانی کی ٹریننگ دے کر اقتصادی مشیروں کے روپ میں افریقہ یا دیگر اسلامی ممالک میں بھیج دیتا ہے۔ مجلس نوجوانان کی رپورٹ کے مطابق افریقہ میں پانچ ہزار قادیانی ایجنٹ موجود ہیں۔ یہ ایجنٹ تمام اداروں اور شعبوں کے متعلق تمام تر نئی معلومات (updates) برطانیہ کو فراہم کرتے ہیں، حالانکہ ان رازوں پر پردہ رکھنا ملکی سلامتی کے لیے انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ ان تمام تر کوششوں اور ہتھکنڈوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ برطانیہ اس ملک پر بالواسطہ دباؤ بڑھا سکے خاص طور پر الجزائر جیسے دیگر ممالک کو اپنے زیر اثر رکھ سکے جو برطانیہ کے ساتھ براہ راست تجارتی لین دین نہیں کرتے تاکہ ان ممالک کو عالمی منڈی کے اتار چڑھاؤ کے اثرات کے تابع بنایا جائے اور بالآخر اسرائیل اور واشنگٹن کے تعاون سے وجود میں آنے والی عالمی منڈی پر قابض بین الاقوامی مالیاتی اور مشاورتی کمیٹیوں کے ذریعے سے زبردستی اپنے مطالبات منوائے جاسکیں، نتیجتاً اس ملک کو دیوالیہ کر کے من مانی شرائط کے عوض تعاون پر مجبور کر دیا جاتا ہے جس کے اثرات مقامی معیشت پر انتہائی خطرناک ہوتے ہیں۔

نااہل حکمران اور اللہ کا عذاب

میجر (ر) زاہد پیرزادہ

پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جس کے تمام ٹی وی چینلز پر (ماسوائے حکومتی چینل کے) 24 گھنٹے ''بریکنگ نیوز'' چلتی رہتی ہیں۔ کبھی سیلاب کی تباہ کاریاں، کبھی کرکٹ میں میچ فکسنگ، کبھی خودکش بم دھماکے، کبھی حکومت ٹوٹنے کی افواہیں وغیرہ۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ پیغمبروں کی قومیں صرف ایک گناہ یا برائی کی وجہ سے صفحہ ہستی سے مٹا دی گئیں مثلاً حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کم تولنے پر، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم حکم عدولی کرنے پر، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ہم جنس پرستی جیسے گھناؤنے جرم پر اور ایک ہم ہیں کہ وہ کون سی قبیح برائی ہے جو ہم میں موجود نہیں۔ قتل، رشوت، زنا، اغوا برائے تاوان، جھوٹ خیانت وغیرہ اور پھر بھی ہم اللہ سے یہ آس لگائے بیٹھے ہیں کہ ہم پر اپنی رحمتیں نچھاور کرے گا۔ یہ تو بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک نوکر قدم قدم پر اپنے مالک کی حکم عدولی کرے اور پھر حسن ظن رکھے کہ مالک اس کی ماہانہ تنخواہ میں اضافہ کرے گا یا اسے مراعات سے نوازے گا۔

اللہ تعالیٰ شاید اپنے حقوق تو معاف کر دے مگر حقوق العباد معاف نہیں کرتا۔ غیر مسلم ممالک میں حقوق اللہ کی پامالی تو ظاہر و باہر ہے مگر حقوق العباد میں وہ قومیں کوتاہی بہت کم کرتی ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان پر ہمارے مقابلے میں اللہ کی ''رحمتیں'' زیادہ برس رہی ہیں اور ایک ہم ہیں کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ہی پامالی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور پھر بھی اس سے رحمت کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سخت قحط کا شکار ہوگئی۔ جب حالات برداشت سے باہر ہوگئے تو آپؑ کی قوم نے آپؑ سے اللہ کی مدد کی درخواست کی۔ موسیٰؑ نے اللہ سے درخواست کی کہ یا اللہ! فصلیں اجڑ گئیں، مویشی ہلاک ہوگئے اور اب تو فاقوں اور بھوک سے بچے بھی ہلاک ہونا شروع ہوگئے ہیں، اپنا فضل فرما اور بارانِ رحمت برسا! اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ! تیری قوم میں ایک ایسا بدکار شخص موجود ہے جس کی بداعمالیوں کی وجہ سے یہ عذاب تیری قوم پر نازل ہوا ہے، جب تک یہ شخص تیری قوم سے نہیں نکلے گا میری رحمت نہیں برسے گی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اکٹھا کیا اور اللہ کا فرمان سنایا کہ وہ شخص فوری طور پر باہر نکل آئے اور اپنی قوم کی مزید تباہی کا باعث نہ بنے۔ قوم میں موجود بدکار شخص نے جب یہ سنا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ وہ بدکار سوچنے لگا کہ میرے ماں باپ، میری اولاد، میرے پڑوسی اور میرے دوست احباب کو جو مجھے بہت پارسا سمجھتے ہیں جب یہ علم ہوگا کہ یہ عذاب میری بداعمالیوں کی وجہ سے ان پر نازل ہوا ہے تو وہ کیا سوچیں گے؟ اسی عالم میں اس شخص نے اللہ سے گڑگڑا کر معافی کی درخواست کی، اسی اثناء میں بارش شروع ہوگئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بعد میں دبے لفظوں میں اللہ سے شکوہ کیا کہ ابھی تو میں قوم کو آپ کا پیغام پہنچا ہی رہا تھا کہ آپ نے بارش برسا دی؟ اللہ نے فرمایا: اے موسیٰؑ تو نے اس شخص کا گڑگڑانا اور اظہار ندامت نہیں دیکھا اور میری رحمت جوش میں آ گئی اور میں نے بارش برسا دی۔ حضرت موسیٰؑ نے اس بدکار شخص کی شناخت جاننا چاہی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! جب وہ شخص میرا نہ تھا تو میں نے اس وقت بھی اس کا عیب ظاہر نہ ہونے دیا اب جبکہ وہ میرا ہو چکا ہے تو میں کیسے اس کا نام ظاہر کر دوں۔ حضرت موسیٰؑ نے پھر پوچھا کہ اے مالک! تیرے عذاب کی نشانیاں کیا ہیں؟ اللہ نے فرمایا: تین نشانیاں ہیں، پہلی یہ کہ جب تم کو بارش کی شدید ضرورت ہوتی ہے تو میں بارش روک لیتا ہوں۔ دوسری جب تمہیں بارش کی ضرورت نہیں ہوتی تو میں بے تحاشا مینہ برسا دیتا ہوں اور تیسرے یہ کہ تمہارے اوپر نااہل حکمران مسلط کر دیتا ہوں۔ (بشکریہ روزنامہ ''نوائے وقت'')

حرف حقیقت

قیام پاکستان کا مقصد

خادم انصاری

دنیا کا کوئی ملک سوائے پاکستان کے مذہب کی بنیاد پر نہیں بنا۔ پاکستان اس لیے بنایا گیا کہ یہاں اللہ کی حاکمیت اور شریعت کا مکمل نفاذ ہوگا۔ قرآن پاک میں مذہب اور دین کی الگ الگ حیثیت ہے۔ مذہب کا تعلق انسان کے انفرادی معاملات سے ہے اور دین انسانوں کی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات فراہم کرتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے حکمرانوں کی بداعمالیوں کے سبب اسلام کے نام پر بننے والے ملک کا حلیہ بگڑ چکا ہے۔ پاکستان کی معیشت تباہ حال ہے۔ اشیائے خوردنی میں ملاوٹ عام ہے اور قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں۔ ملک میں دہشت گردی کی بڑھتی ہوئی وارداتیں، اسمبلیوں میں ہنگامے، پولیس اور وکلاء میں تصادم اور عدالتی نظام کی خرابیاں سوہان روح بنی ہوئی ہیں۔ غیر اللہ کی حاکمیت پر مبنی نظام اور قوانین کا نفاذ شرک ہے اور شرک کی سزا یقیناً جہنم ہی ہو سکتی ہے۔ قارئین، یاد رکھیں کہ پاکستانی عوام اور حکمرانوں کی دنیوی و اخروی فلاح ملک میں اسلامی قانون کے نفاذ میں ہے۔

ڈوب مرنے کا مقام

سلیم صافی

واشنگٹن پوسٹ کے ایسوسی ایٹ ایڈیٹر باب ووڈورڈ (Bob Woodward) کی تحقیقی صحافت، اس میدان کا ایک قابل تقلید باب ہے۔ انتہائی مہارت کے ساتھ اندر کی خبر نکالنا اور نتائج سے بے پروا ہوکر اسے باہر لانے کا گر کوئی ان سے سیکھے۔ واٹر گیٹ اسکینڈل منظر عام پر لاکر وہ ایک امریکی صدر کی رخصتی کا موجب بنے۔ نائن الیون اور اس کے بعد کے واقعات سے متعلق ان کی کتاب بش ایٹ وار (Bush At War) میں کئے گئے ان کے انکشافات آج تک مسٹر بش، مسٹر پرویز مشرف اور امریکی اداروں کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ افغانستان اور پاکستان کے بارے میں اوباما حکومت کے گزشتہ اٹھارہ ماہ کی پالیسیوں اور اقدامات سے متعلق انکشافات پر مبنی ان کی نئی کتاب اوباما کی جنگیں (Obama's Wars) میں بھی انہوں نے کئی اہم رازوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ امریکہ، پاکستان اور افغانستان کی اہم شخصیات کی حقیقت اور خطے سے متعلق امریکی سوچ اور اپروچ کو سمجھنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ کوشش رہے گی کہ آئندہ کالموں میں (اگر زندگی رہی اور اداروں کی قلابازیوں نے موقع دیا تو) اس کتاب کے مندرجات اور انکشافات کی روشنی میں خطے کے حال اور مستقبل کا تجزیہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ تاہم آج کے کالم میں صرف اس افسوسناک پہلو کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، جس کا رونا ''جرگہ'' میں ایک عرصے سے رویا جاتا رہا یعنی آصف علی زرداری کا اپنی قوم کی بجائے امریکہ پر ٹیکے اور اپنے اداروں کی بجائے امریکی اداروں سے قربت کی کوشش کا پہلو۔ ایک حادثے نے انہیں پاکستان کی مقبول جماعت کا سربراہ اور پھر غیر معمولی سیاسی حمایت کا حامل صدر بنایا۔ ان کی خوش قسمتی تھی کہ نون لیگ کی صورت میں ایسی اپوزیشن میسر آئی جو ان کی حکومت کو گرانے کی بجائے ان سے زیادہ سسٹم کے دوام کی خواہشمند تھی لیکن اپنی قوم پر ٹیکے اور اپنے اداروں کے ساتھ پرامن بقائے باہمی کے اصولوں کے تحت بنی براعتماد تعلق کی استواری کی بجائے انہوں نے واشنگٹن کی خوشنودی کو ترجیح دی اور شاید یہی وجہ ہے کہ آج ادارے ردعمل ظاہر کررہے ہیں تو عوام ان کی حمایت میں سڑکوں پر نکلنے کی بجائے تماشا دیکھ رہے ہیں۔

باب وڈورڈ کے مطابق اپنی پہلی ملاقات میں جب امریکی نائب صدر جو بائیڈن زرداری سے کہتے ہیں کہ ان کی سی آئی اے کے مطابق آئی ایس آئی ان کی کوششوں کو سبوتاژ کرتی ہے تو جواب میں اپنے ملکی ادارے کی صفائی پیش کرنے کی بجائے ان کے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے زرداری صاحب اس کو صاف کرنے کا عزم ظاہر کرتے ہیں۔

> صدر زرداری نے سی آئی اے کے ڈائریکٹر مائیک ہیڈن سے کہا:
>
> ''ڈرون حملوں سے ہونے والے ضمنی نقصان کی تم امریکیوں کو فکر ہے، مجھے اس کی کوئی پروا نہیں''

"I am going to help clean up the ISI," Zardari said. "We have to get out of these games."(chapter:6, Page:64).

کتاب کے مطالعے سے یہ افسوسناک حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ صرف پرویز مشرف نہیں بلکہ اس کے بعد کی پاکستانی قیادت بھی امریکیوں کو ڈرون حملوں کی درپردہ اجازت دے چکی ہے لیکن قوم کو بے وقوف بنانے کے لئے پارلیمنٹ سے اس کے خلاف قراردادیں پاس کی جارہی ہیں۔ کتاب کے مطابق اپنی پہلی ملاقات میں صدر آصف علی زرداری اس وقت کے سی آئی اے کے ڈائریکٹر مائیک ہیڈن (Mike Hayden) سے کہتے ہیں کہ (ڈرون سے) القاعدہ کے سینئر لوگوں کو مارتے ہوئے ضمنی نقصان (Collateral Damage) کی فکر نہ کرو۔ گویا پاکستانیوں کا مرنا ان کے لئے کسی تشویش کی بات نہیں۔ زرداری صاحب کے الفاظ ہیں کہ:

Kill the seniors," Zardari said. "Collateral damage worries you Americans. It does not worry me." (chapter:3, Page:26).

عوام کو طاقت کا سرچشمہ قرار دینے اور امریکیوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے والے ذوالفقار علی بھٹو کے جانشین اور ایٹمی طاقت کے حامل اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر آصف علی زرداری امریکیوں کو اپنے شہریوں کی ہلاکتوں سے متعلق یوں کھلی اجازت دیتے ہیں لیکن دوسری طرف جب نومنتخب نائب امریکی صدر جو بائیڈن اور ری پبلکن لیڈر گراہم (Graham) کی، جب پاکستان سے سینکڑوں گنا زیادہ بے بسی کے شکار اور امریکی افواج کے زیر قبضہ افغانستان کے ایسے صدر جو امریکی کاندھوں پر بیٹھ کر پہلی مرتبہ صدر بنے تھے، کے ساتھ پہلی ملاقات ہوتی ہے تو نیٹو کی بمباریوں میں افغان شہریوں کی ہلاکتوں پر ان کے ساتھ ان کی تلخی ہوجاتی ہے۔ جو بائیڈن اور گراہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ بمباریوں میں افغانوں کی ہلاکتوں سے متعلق میڈیا میں اپنے احتجاج سے باز آجائیں لیکن حامد کرزئی جو ہر حوالے سے امریکی مدد کے محتاج ہیں، بمباریوں کی بندش کا مطالبہ دھراتے ہوئے اصرار کرتے ہیں کہ وہ اپنا احتجاج جاری رکھیں گے۔ وہ ان سے کہتے ہیں کہ:

The Afghan people will not

support it.(chapter:6,Page:69)

جو بائیڈن مصر رہتے ہیں تو حامد کرزئی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مزید برہمی کے ساتھ جواب دیتے ہیں کہ:

"The Afghan people must be partners, not victims," (chpter:6 ,Page:69)

جب تکرار بڑھ جاتی ہے تو افغان صدر حامد کرزئی، جنہوں نے چند ہی ماہ بعد دوبارہ صدارتی انتخابات کے مرحلے سے گزرنا ہے، افغانوں کا نمائندہ بن کر کہتے ہیں کہ:

"We're just poor Afghans," Karzai said. "I know no one cares about--" (chapter:6, Page:69)

ایک طرف اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر آصف علی زرداری کا اپنی قوم کی بارے میں یہ بے اعتنائی یا پھر امریکیوں کی یہ تابعداری اور دوسری طرف جنگ زدہ اور عالمی طاقتوں کے پنجے میں جکڑے ہوئے افغانستان کے صدر حامد کرزئی کا امریکیوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی قوم کی وہ ترجمانی۔ کیا یہ ہم پاکستانیوں کے لئے ڈوب مرنے کا مقام نہیں؟

دعائے مغفرت کی اپیل

- تنظیم اسلامی حلقہ کراچی شمالی (ناظم آباد) کے رفیق فواد علی پاشا کی نانی اور سید طہٰ غیاث کے پھوپھا رحلت فرما گئے
- حلقہ کراچی جنوبی کے ناظم رابطہ عبدالرؤف رزاق کی والدہ انتقال کر گئیں
- حلقہ لاہور کے رفیق نسیم اختر صدیقی کا جوان سال بیٹا ٹریفک حادثے میں جاں بحق ہوگیا
- حلقہ سکھر کے ملتزم رفیق ذکاء الرحمٰن کے بہنوئی فوت ہوگئے
- تنظیم اسلامی لطیف آباد، کراچی کے ناظم بیت المال جنید احمد خان کے ماموں انتقال کر گئے
- لطیف آباد کراچی کے رفیق تنظیم ذوالفقار احمد کی بھابھی انتقال کر گئیں

اللہ تعالیٰ مرحومین ومرحومات کی مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ قارئین ورفقاء سے بھی دُعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اللّٰھم اغفرلھم وارحمھم وادخلھم فی رحمتک وحاسبھم حساباً یسیراً

حرفِ مدّعا

چلے چلو

حسّام احمد سید

یہ دور ابتلا سہی چلے چلو چلے چلو
رُکے نہ یہ قدم کبھی چلے چلو چلے چلو
بتانِ وہم توڑ کر رواج و رسم چھوڑ کر
بنا کے طرزِ عاشقی چلے چلو چلے چلو
ہو اتصالِ حق صحیح اور انفصالِ بے خودی
نہ مدّعا نہ مدّعی، چلے چلو چلے چلو
بساطِ علم بچھی رہے، اِسی کی رہبری رہے
تلاش و جستجو وہی، چلے چلو چلے چلو
معیارِ زندگی بڑھے، عمل میں سادگی رہے
حصولِ فکر و آگہی، چلے چلو چلے چلو
ہزار فرق ہوں درمیاں مگر نہ ہم ہوں بدگماں
سبھوں سے ہی رہے بنی، چلے چلو چلے چلو
ہر اک قدم پہ مشکلیں اور زندگی کی کلفتیں
ہے بات کون سی نئی، چلے چلو چلے چلو
ہو تیرگی کا وار کیوں، سحر کا انتظار کیوں
دلوں میں گر ہے روشنی، چلے چلو چلے چلو
محبتیں و قربتیں، ہیں زندگی کی رونقیں
بس اک ذرا سی ہے سعی، چلے چلو چلے چلو
خدا پہ ہو اگر یقیں، تو کانپنے لگے زمین
نظر اُفق پہ ہو گی، چلے چلو چلے چلو
خدا کو اک ہی راستہ، رسولؐ کا ہے واسطہ
اسی میں سب کی بہتری، چلے چلو چلے چلو
شبِ الم کی تیرگی مگر رسولؐ کی سعی
نگاہ میں رہے بسی، چلے چلو چلے چلو
بس اُنؐ کو رہنما کرو، خدا خدا خدا کرو
فلاح اسی میں ہے چھپی، چلے چلو چلے چلو
صدا ہو اضطراب میں، دعا ہو آنجناب میں
تو پوری ہوگی ہر کمی، چلے چلو چلے چلو
حسّام اُنؐ کو سوچنا، اِدھر اُدھر نہ دیکھنا
نگہ اُنؐ ہی پہ ہو جمی، چلے چلو چلے چلو

- قربانی ہماری معاشرتی رسم ہے یا دینی فریضہ؟
- قرآن وسنت کی روشنی میں قربانی کا فلسفہ کیا ہے؟
- عیدالاضحیٰ اور قربانی میں باہم چولی دامن کا ساتھ کیوں ہے؟
- حج کے موقع پر منیٰ میں کی جانے والی قربانی اور اس موقع پر پوری دنیا میں کی جانے والی قربانی میں کیا ربط وتعلق ہے؟

ان سوالات کی وضاحت کے لیے مطالعہ کیجئے:

عیدالاضحیٰ اور فلسفۂ قربانی

(اور)

حج اور عیدالاضحیٰ اور اُن کی اصل روح

قرآن حکیم کے آئینے میں

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کی ایک تقریر اور ایک تحریر پر مشتمل مختصر مگر جامع کتابچہ

قیمت اشاعت خاص: 25روپے، اشاعت عام: 15روپے (علاوہ ڈاک خرچ)

مکتبہ خدام القرآن لاہور 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون 03-5869501

Vol:19 Regd. C.P.L NO. 114 No.42

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

SERVANT OF THE BOOK

A TRIBUTE TO DR. ISRAR AHMED FROM THE SHIFA STUDENT SOCIETY

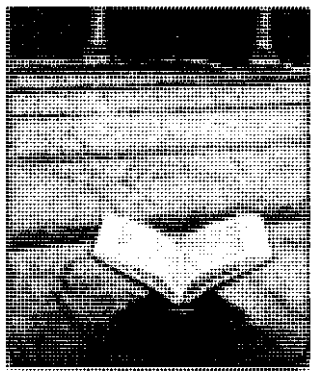

"Old furniture and this simple bedroom - don't you desire comfort and luxury?" asked the host of the show. Unlike other celebrities he had televised his show with, this one did not live in a mansion. On the contrary he lived in a small bedroom with precious little in terms of ornamentation and decoration. This celebrity lived like a pretty ordinary man.

"I have all the comfort and luxury I need in here; a bed to sleep on, a table and chair to sit and write on if I want. What you are sitting on is a sofa-cum-bed for my wife. I have this small fridge to provide me with cold water. What more could I want?"

But he was anything but an ordinary man. A medical doctor by qualification, Dr. Israr Ahmed realized very early on that the ailments of humanity are too deep seated to be cured by the medical community. He believed that the panacea lay in the Qur'an and to the propagation and implementation of this he worked tirelessly until he breathed his last on the 14th of April, 2010.

Dr. Israr Ahmed was more than just a religious scholar. He was an intellectual in touch with his times and in contact with the common folk. Where others would preach mere religious dogma and rituals, he would aim to explain the wisdom behind the practices. He propagated that Muslims should not indulge in luxuries and frivolities whilst the deen of Allah lies in need of help. This may be labeled as an extreme point of view but to his credit, and perhaps his greatest quality of all, Dr. Israr practiced what he preached.

The one-man army that he was, is now gone - but his legacy remains. No amount of words can do justice to his contribution to our time. Only by understanding the philosophy and the teachings that he left behind can one truly comprehend his mastery.

Where others would ask for speaking fees and hotel accommodation, Dr. Israr would opt to lodge at somebody's home preferring to sleep on the floor. Those who saw him on these months' long trips said that he brought two pairs of clothes and while one would be in laundry he would wear the other. Far from charging speaking fees he did not even claim an honorarium on the sales of his books. Where many of us look for the religion to serve our needs by giving us more and more in terms of leniency he looked towards himself to give the religion more and more sacrifice.

For decades he tirelessly taught the Qur'an at different levels. Year after year he would explain the meaning of the entire Qur'an at taraweeh during Ramadan. He taught a short Qur'an course, which was an in-depth exposition of a few selected portions of the Holy Book, which was carried out over and over again in different parts of the globe. This he did in spite of his hypertension, diabetes, heart problems, a bilateral knee transplant, a spine operation, and other medical conditions all testing his faith at different times.

"The best of you are those who learn and teach the Qur'an", The Prophet 7-' told us. Many would tell you that he was the best teacher of the Qur'an in Urdu. That made him the best of the best. The one-man army that he was, is now gone but his legacy remains. No amount words can do justice to his contribution to our time. Only by understanding the philosophy and the teachings that he left behind can one truly comprehend his mastery.